شیخ محمد بن عبد الوہاب

اور

ہندوستان کے علمائے حق

از

مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی ۱

مضامین کا اشاریہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

راقم سطور کی پیدائش ۱۳۲۳ھ (م ۱۹۰۵ء) کے اواخر کی ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اپنے ماحول میں، خاص کر ننہال میں لوگوں کو "وہابیوں" کا ذکر بہت بُرائی کے ساتھ کرتے ہوئے سُنا۔ اُن کی باتوں سے میں اُس وقت (اپنے بچپن میں) بس اتنا سمجھتا تھا کہ "وہابی" بہت ہی بُرے اور بڑے خراب لوگ ہوتے ہیں، وہ رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو اور اولیاء اللہ کو نہیں مانتے بلکہ ان کی شان میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کرتے ہیں۔ اُسی زمانہ میں یہ قصہ بھی سنا تھا کہ کوئی شخص "عبدالوہاب نجدی" اِن وہابیوں کا پیشوا تھا، اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے ایسی دشمنی تھی کہ وہ بزرگوں اور درویشوں کی سی صورت بناکر مدینہ شریف آیا اور وہاں ایک مکان لے کر اس میں رہنے لگا اور اس نے اپنے اُس مکان سے روضۂ اقدس کی طرف کو اس ناپاک غرض سے سرنگ لگائی کہ حضورؐ کے جسدِ اطہر کو قبر مبارک سے (معاذ اللہ) نکال کے اُس کی بے حرمتی

کرے تو اُس زمانہ کے بادشاہ کو خواب میں حضور کی زیارت ہوئی اور آپ نے اس کو بتلایا کہ نجد کا ایک خبیث آدمی اِس ارادہ سے سرنگ لگا رہا ہے۔ بادشاہ فوراً مدینہ شریف آیا اور اُس آدمی عبدالوہاب نجدی کو تلاش کرا کے پکڑوا لیا اور اس کا سر اڑا دیا گیا۔

مجھے یاد ہے کہ اُس زمانہ میں لوگ اس واقعہ کو اس طرح ذکر کرتے تھے کہ گویا یہ ایک معلوم و مسلّم تاریخی واقعہ ہے۔ اس لئے خود مجھے اس بارے میں کبھی کوئی شک شبہ بھی نہیں ہوا، نہ میں نے اُس زمانہ میں کسی کو اس کی تردید کرتے ہوئے سُنا۔

بہرحال "وہابیوں" اور "عبدالوہاب نجدی" کے بارے میں میرا پہلا سماعی علم یہی تھا اور یاد ہے کہ میں بھی اُس زمانہ میں اُن کو گالیاں دیا کرتا تھا، اور دوسروں سے سُن کر کچھ ایسے اشعار بھی پڑھا کرتا تھا جن میں "وہابیوں، نجدیوں" کو گالیاں اور ان کے لئے بددعائیں ہوتی تھیں۔ میری عمر اس وقت سات آٹھ سال کے قریب رہی ہوگی۔

اس کے بعد ایک وقت آیا کہ اُردو فارسی وغیرہ کی کچھ تعلیم کے بعد میری عربی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور میں وطن ہی میں ایسے عربی مدرسہ میں داخل کیا گیا جس کے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے تعلیمیافتہ تھے اور لوگ اُن کو "وہابی" کہتے تھے۔ لیکن میں نے "وہابیوں" کے متعلق جو خراب باتیں سُنی تھیں اُن میں سے

کوئی بھی اُن استادوں میں نہیں پائی، بلکہ میں نے دیکھا کہ یہ حضرات اللہ اور رسول کی فرمانبرداری و تابعداری اور شریعت کی پیروی پر زور دیتے تھے، اُسی کے ساتھ قبر پرستی، پیر پرستی، تعزیہ داری، عرس و قوالی کے "میلوں" اور اس طرح کی دوسری بدعات و خرافات کے سخت مخالف تھے۔ الحمدللہ ان حضرات کو دیکھ کر اور ان کے قریب رہ کر یہ یقین ہوگیا کہ ان وہابیوں کے بارہ میں جو باتیں لوگوں میں مشہور ہیں وہ غلط اور بے اصل ہیں۔ لیکن عبدالوہاب نجدی یا محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں اپنے ان استادوں سے کچھ سننا مجھے یاد نہیں۔

اس کے بعد ایک وقت آیا کہ میں تعلیم کے لئے وطن سے باہر بھیجا گیا جہاں مجھے اپنے خاص استاذ اور مربی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمذ اور مستقل طور سے اُن کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی (جو اپنے زمانہ کے مشہور اصحابِ درس علماء راسخین میں سے اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمۃ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے) استاذ مرحوم پر شرک و توحید اور سنت و بدعت کے باب میں اپنے اسلاف میں سے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا رنگ غالب تھا، یاد آتا ہے کہ سب سے پہلے انہی سے میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی تصنیف "کتاب التوحید" کے متعلق اچھی رائے سنی، اور یہ بات بھی سب سے پہلے غالباً حضرت استاذ مرحوم ہی سے معلوم ہوئی کہ توحید و سنت کے خاص داعی اور "کتاب التوحید" کے مصنف

جنہوں نے قبر پرستی وغیرہ کے خلاف جہاد کیا وہ عبدالوہاب نجدی، نہیں بلکہ محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے، اور لوگ جہالت اور ناواقفی سے ان چیزوں کی نسبت عبدالوہاب نجدی کی طرف کرتے ہیں۔ استاذ مرحوم "کتاب التوحید" کی جس طرح تعریف فرماتے تھے اُس کی بنا پر میرا اندازہ ہے کہ اس کا انہوں نے مطالعہ فرمایا تھا۔ مولانا مرحوم کے علاوہ اپنے کسی دوسرے استاذ سے میں نے "کتاب التوحید" کا ذکر نہیں سنا۔ میرا گمان ہے کہ غالباً وہ اُن حضرات کے مطالعہ ہی میں نہیں آئی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اُس کے مصنف شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف اُن کے مذہبی اور سیاسی مخالفین نے جو انتہائی نفرت انگیز پروپیگنڈہ پورے عالم اسلام میں کیا تھا (جس کا کچھ ذکر عنقریب آئے گا) اُس سے ہمارے دیوبندی حلقے کے اساتذہ و اکابر بھی متاثر تھے، لیکن راقم سطور نے حضرت مولانا کریم بخش صاحب سے جو کچھ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی "کتاب التوحید" کے بارے میں سُنا تھا اُس کی وجہ سے میں ان کو حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرح کا توحید و سُنّت کا داعی و مجاہد ہی سمجھتا رہا۔

اس کے بعد طویل مدت تک اس موضوع سے متعلق میرے علم و مطالعہ میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا ـــــ یہاں تک کہ اب سے قریباً ۳۲-۳۳ سال پہلے ۱۹۴۶ء میں مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب "محمد بن عبدالوہاب، ایک مظلوم و بدنام مصلح" شائع ہوئی، یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سوانح حیات ہے

جو مصنف مرحوم نے خود شیخ کی تصانیف، اُن کی سوانح اور ان کی حمایت و تائید اور مخالفت و تردید میں عربی، انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی پچاسوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد بڑی محنت و کاوش سے لکھی تھی ——— اس کے مصنف کی بعض رایوں سے تو اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا مطالعہ کرنے والے ہر انصاف پسند کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مصنف نے مؤرخانہ تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے ——— بہر حال سب سے پہلے اسی کتاب کے مطالعہ سے راقم سطور کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی شخصیت و سوانح، اُن کی دعوتِ اخلاص توحید اور اس کے اثرات و ثمرات اور معاند مخالفین کی طرف سے اس کی مخالفت و مزاحمت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔

اس کے بعد دعوت اور مسلک کی وضاحت سے متعلق خود شیخ ممدوح ان کے فرزندوں، تلامذہ اور ان کے حلقہ کے بعض دیگر مصنفین کی چھوٹی بڑی بہت سی تصنیفات مختلف اوقات میں دیکھنے کا اتفاق ہوا، نیز اُن کی شخصیت اور سوانح پر ان کے معتقدین کی لکھی ہوئی بعض کتابیں اور ان کے بعض سخت ترین مخالفین کی کتابیں بھی پڑھیں۔ ان سب چیزوں کے مطالعہ کے بعد راقم سطور کی رائے یہ قائم ہوئی کہ اُن کا مسلک و موقف قریب قریب وہی ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، اُن کے تلامذہ حافظ ابن القیمؒ وغیرہ کا ہے، اور ردِ شرک اور دعوتِ اخلاصِ توحید کے بارے میں ان کا رویہ (کچھ فرق کے ساتھ) وہی ہے جو حضرت

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" میں ہے۔

اور اسی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ہمارے ملک میں قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں اور بدعات و خرافات کو اپنا دین بنا لینے والوں کی طرف سے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف طرح طرح کی افترا پردازیاں کر کے عام مسلمانوں کو اُن سے متنفر کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں (جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے) یہی معاملہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بھی ہوا ہے ـــــــ بلکہ چونکہ ان کی اخلاص توحید کی دعوت اور اصلاحی جدوجہد کے پروگرام میں جہاد بالسیف بھی شامل تھا اور ان کی جماعت کو مسلسل کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اور علاقے کے علاقے اُن کے قبضہ میں آ رہے تھے، یہاں تک کہ نجد کے علاقے سے نکل کر حجاز مقدس اور حرمین شریفین کو بھی انہوں نے اپنے دائرۂ اقتدار میں لے لیا۔ اس کی وجہ سے آس پاس کے ارباب ریاست و حکومت بھی ان سے خطرہ محسوس کرنے لگے اور مختلف بلاد و امصار کے اُن کے مذہبی مخالفین قبوریین اور خرافیین اُن کے خلاف جو مذہبی پروپیگنڈا کر رہے تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخیاں کرنے والے، اولیاء اللہ کے دشمن اور اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر مشرک اور مباح الدم قرار دینے والے مشہور کر رہے تھے، یہ اربابِ حکومت بھی اپنے پورے وسائل اور مکائد کے ساتھ اس پروپیگنڈے میں شریک ہو گئے اور پھر جب حکومتِ عثمانیہ ترکی کے حکم سے والیٔ مصر محمد علی پاشا کی فوجوں نے

ان وہابیوں کو ۱۲۲۷ھ میں حجاز مقدس سے بیدخل کر دیا اور اُس کے کچھ عرصہ بعد درعیہ کی آل سعود کی حکومت کا بھی گویا خاتمہ کر دیا تو خاص طور سے حجاز پاک، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے خلاف اس پروپیگنڈے کا مرکز بن گیا اور وہاں سے اُن کے متعلق ایسی باتیں مشہور ہونے لگیں جن کو سن کر ہر مسلمان نہ صرف یہ کہ ان سے متنفر ہو بلکہ ان کو دنیا بھر کے کافروں سے بدتر قسم کا کافر سمجھے اور چونکہ حج ادا کرنے کے لئے سارے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی حرمین شریفین میں حاضری ہوتی تھی، اس لئے ان وہابیوں نجدیوں کے خلاف وہاں جو باتیں عام طور سے مشہور تھیں، کہی اور لکھی جاتی تھیں وہ ان حاجیوں کے ذریعہ سارے عالمِ اسلام میں پہنچ جاتی اور پھیل جاتی تھیں ——— پھر ان وہابیوں کے ہر علاقہ کے دشمن قبوریین وخرافیین غالباً اس پر حاشیہ آرائی بھی کرتے تھے ——— (میں نے اپنے بچپن میں "عبدالوہاب نجدی" سے متعلق روضۂ پاک میں سرنگ لگانے کا جو قصہ سنا تھا، میرا خیال ہے کہ وہ غالباً ہمارے ہی علاقہ کے قبوریین وخرافیین کی حاشیہ آرائی تھی، کیونکہ میں نے نہیں سنا کہ کہیں اور بھی یہ قصہ اس طرح مشہور تھا۔ واللہ اعلم)

حرمین شریفین میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت اور جماعت سے متعلق جس طرح کی باتیں مشہور تھیں اور وہاں سے ساری دنیا میں پھیل رہی تھیں، اُن کا نمونہ مکہ مکرمہ کے مشہور عالم، مفتی شافعیہ شیخ احمد زینی دحلان (م ۱۳۰۴ھ)

کی کتاب "خلاصۃ الکلام فی بیان امراء بلد الحرام" اور "الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیہ" میں دیکھا جا سکتا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں "خلاصۃ الکلام" کے صرف ایک صفحہ (۲۳۰ جلد دوم) کے یہ چند جملے ناظرین ملاحظہ فرمائیں:

واذا اراد احد ان یدخل فی دینه یقول له بعد الاتیان بالشهادتین اشهد علی نفسك انك كنت كافرًا واشهد علی والدیك انهما ماتا كافرین ــــ واشهد علی فلان وفلان ویسمی له جماعةً من اكابر العلماء الماضین انهم كانوا كفارًا فان شهدوا قبلهم والا امر بقتلهم وكان یصرح بتكفیر الامة من منذ ستمائة سنةٍ وكان یكفر كل من لا یتبعه وان كان من اتقی

جب کوئی شخص اُس کے (محمد بن عبدالوہاب کے) دین میں داخل ہونا چاہتا تو وہ اس سے کلمۂ شہادت پڑھوانے کے بعد کہتا کہ تم اس بات کی بھی شہادت دو کہ تم اب تک کافر تھے اور تمہارے ماں باپ بھی کافر تھے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے ــــ اور گزشتہ زمانہ کے بہت سے بڑے علماء کا نام لے کے کہتا کہ ان کے بارے میں بھی شہادت دو اور کہو کہ یہ سب کافر تھے ــــ تو اگر وہ شخص یہ شہادت دیتا اور اقرار کرتا تو وہ اُن کو قبول کر لیتا اور اپنے دین میں داخل کر لیتا اور اگر وہ یہ شہادت نہ دیتا تو اس کو قتل کرا دیتا۔ اور وہ صراحت سے کہتا تھا کہ گزشتہ چھ سو سال میں جو مسلمان گزرے ہیں وہ سب کافر تھے اور اپنے متبعین کے سوا

المتقين فيسميهم مشركين
ويستحل دماءهم واموالهم
ويثبت الايمان لمن اتبعه
وان كان من افسق الفاسقين
وكان ينتقص النبي صلى
الله عليه وسلم كثيرًا
بعبارات مختلفة -------
حتى ان اتباعه كانوا
يفعلون ذالك ايضًا -----
حتى ان اتباعه كانوا يفعلون
ذلك ايضا حتى ان بعض اتباعه
كان يقول عصاى هٰذه خير من محمد
لانها ينتفع بها فى قتل الحية ونحوها
ومحمد قد مات ولم يبق
فيه نفع اصلاً وانما هو
طارش ومضى ــــ ومن
ذلك انه كان يكره الصلوٰة

اور سب کو وہ کافر قرار دیتا تھا اگرچہ وہ اعلیٰ
درجہ کے متقی ہوں۔ اُن کو وہ مشرک کہتا تھا اور
اُن کا قتل کرنا اور اُن کا مال لوٹ لینا وہ جائز
سمجھتا تھا---- اور صرف ان لوگوں کو وہ مومن
و مسلم مانتا تھا جو اُس کا اتباع کرتے اگرچہ وہ
بدترین قسم کے فاسق فاجر ہوتے۔
اور وہ طرح طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تنقیص و توہین کرتا تھا، اور اس کی پیروی
میں اس کے متبعین بھی حضور کی شان پاک میں
گستاخیاں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اس کے بعض متبعین
یہ کہتے تھے کہ میری یہ لاٹھی محمد سے بہتر ہے، اس
سے سانپ جیسے موذی جانور مارنے کا کام
لیا جا سکتا ہے اور محمد تو مر چکے اور اُن کی ذات میں
اب کوئی نفع نہیں رہا اور وہ تو بس "وہ چٹھی
رساں" تھے جو گزر گئے۔
اور اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کو بُرا سمجھتا تھا

علی النبی و یتاذی بسماعها۔	اور اس کے سننے سے اس کو اذیت اور تکلیف ہوتی تھی۔

اور اسی سلسلہ میں شیخ دحلان نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

وکان فی اول امرہ مولعًا بمطالعۃ اخبار من ادعی النبوۃ کاذبًا کمسیلمۃ الکذاب و السجاح والاسود العنسی وطلیحۃ الاسدی واضرابھم فکان یضمر فی نفسہ دعوی النبوۃ ولو امکنہ اظھار ھذہ الدعوۃ لاظھرھا۔ (ص۲۲۹)	اور اس شخص (محمد بن عبدالوہاب) کو اپنے ابتدائی دور میں اُن لوگوں کے حالات وواقعات کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا جنہوں نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا، جیسے مسیلمہ کذاب۔ اور سجاح اور اسود عنسی اور طلیحہ اسدی اور ان جیسے دوسرے مدعیانِ نبوت ——— دراصل وہ اپنے دل میں نبوّت کا دعویٰ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کو چھپائے ہوئے تھا اور اگر اس کو علانیہ نبوت کا دعویٰ کرنے کا موقع ملتا تو وہ کھلم کھلا نبوّت کا دعویٰ کرتا۔

شیخ احمد زینی دحلان نے شیخ محمد بن عبدالوہاب پر اس عبارت میں جو انتہائی سنگین الزامات لگائے ہیں ان میں سے کسی کے لئے بھی انہوں نے شیخ موصوف یا اُن کے متبعین میں سے کسی کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ راقم سطور اپنے ذاتی مطالعہ کی بنا پر کہتا ہے کہ ان میں سے ایک الزام بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ خود شیخ محمد بن

عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے مصنفین کی کتابوں میں ان الزامات اور بہتانوں کی صریح تردید موجود ہے (جیسا کہ ناظرین آئندہ اوراق میں دیکھ لیں گے)۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ دحلان نے ان کے حلقہ کی کوئی بھی کتاب نہیں دیکھی اور اتنی سنگین باتوں کے لکھنے سے پہلے کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی، اس کی توجیہ اس کے سوا اور کیا کی جاسکتی ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت کے مذہبی اور سیاسی دشمنوں کی دانستہ یا نادانستہ کوششوں کے نتیجہ میں اِن لوگوں سے متعلق یہ اور اس طرح کی بہت سی غلط اور بے اصل باتیں حرمین شریفین میں ایسی مشہور عام ہوگئی تھیں کہ اُن کو ایک قسم کے "عوامی تواتر" کا درجہ حاصل ہوگیا تھا جس کی وجہ سے ان کے کہنے یا لکھنے سے پہلے کسی تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی اور عام شہرت ہی کی بنا پر اُن کو بے تکلف کہا اور لکھا جاتا تھا، ورنہ شیخ دحلان جیسے کسی صاحب علم کے بارے میں آسانی سے یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے دانستہ اتنی سنگین بہتان تراشی کی ہے، کوئی شخص جو آخرت کے محاسبہ پر یقین رکھتا ہو ایسی جرأت نہیں کرسکتا ——— واللہ اعلم

انہی شیخ احمد زینی دحلان نے اپنی اسی کتاب "خلاصۃ الکلام" میں اُسی زمانہ کے ایک دوسرے عالم مفتی شیخ عبدالرحمٰن الاہدل (مفتی زبید) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

وکان محمد بن عبد الوهاب یامر ایضاً بحلق رؤس النساء اللاتی	جو عورتیں محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور مسلک کو قبول کرتی تھیں، وہ حکم دے کر ان کے سر

یتبعنہ ؎ (خلاصۃ الکلام ص ۲۳۵/۲۵) بھی منڈواتا تھا۔

یہ بات تاریخ اور واقع کے لحاظ سے بالکل بے اصل اور کذبِ خالص ہونے کے علاوہ قطعاً ناقابلِ فہم بھی تھی لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے خلاف پروپیگنڈے نے ذہنوں کو اتنا متاثر اور ماؤف کر دیا تھا کہ شیخ دحلان جیسے عالم کے ذہن نے اس کو بھی قبول کر لیا اور اپنی کتاب میں درج کر دیا ـــــ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔

جیسا کہ راقم سطور نے اوپر عرض کیا ہے حج ادا کرنے کے لئے پورے عالمِ اسلام کے مسلمان حرمین شریفین حاضر ہوتے تھے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں مندرجہ بالا قسم کی خرافات جو وہاں مشہور عام اور زبان زد خواص و عوام تھیں وہ ان حاجیوں کے ذریعہ اور "خلاصۃ الکلام" جیسی کتابوں کے ذریعہ سارے عالمِ اسلام میں پہنچتی اور پھیلتی تھیں اور قدرتی طور پر ہر جگہ کے مسلمان عوام و خواص اُن سے متاثر ہوتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ "وہابی" کا لفظ مذہبی گالی کے طور پر استعمال ہونے لگا۔

افسوس ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان کے بہت سے وہ صحیح العقیدہ اور صحیح الخیال علماء بھی جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مسلک پر قائم اور اُن کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ کی دعوتِ توحید و سُنّت کے علمبردار اور قبر پرستی، پیر پرستی وغیرہ بدعات و خرافات کے خلاف برسرِ پیکار تھے، وہ بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت و جماعت کے خلاف اِس گمراہ کن عالمگیر پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے ـــــ حدیہ

ہے کہ جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی (جو خود قبوریین وخرافیین کے سخت ترین مخالف اور ہندوستان میں مسلکِ اہل حدیث کے درجۂ اول کے داعیوں میں تھے انہوں نے بھی) اپنی متعدد تصانیف میں شیخ موصوف اور ان کی جماعت کے متعلق اسی طرح کی باتیں لکھ دیں جو اُن کے مخالفین اُن کے بارے میں مشہور کرتے تھے اور اسی بنا پر اُن سے اپنی اور پوری جماعت اہل حدیث کی طرف سے برارت اور بے تعلقی کا اعلان واظہار ضروری سمجھا، اور تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں ایک مستقل کتاب "ترجمان وہابیہ" خاص اسی مقصد سے لکھی اور شائع فرمائی۔

اسی طرح جماعت علمائے دیوبند کے اکابریں سے شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ کے ایک عالم کے سوال کے جواب میں (جنہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں وہی باتیں لکھ کر جو اُن کے مخالفین کی طرف سے مشہور کی جاتی تھیں، استفسار کیا تھا، تو اُس کے جواب میں مولانا سہارنپوری نے) شیخ اور اُن کی جماعت کو اہل حق اور اہل السنۃ سے خارج قرار دیا اور اس کے لئے "ردالمحتار" کے مصنف علامہ ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۳ھ) کی عبارت سے بھی استناد کیا جنہوں نے نجد کی اس وہابی جماعت کو خوارج کے قبیل سے لکھا ہے۔[1]

("التصدیقات" از مولانا خلیل احمد سہارنپوری)

---

[1] حالانکہ اُن کے شیخ اور مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں اپنے فتاویٰ میں اچھی رائے ظاہر کی تھی اور ان کا تزکیہ کیا تھا۔ ناظرین شیخ ممدوح کا وہ فتویٰ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اسی طرح جماعت علماء دیوبند کی ایک دوسری موقر شخصیت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے رسالہ "الشہاب الثاقب" میں (جو اب سے قریباً ستر سال پہلے لکھا گیا تھا) شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں قریب قریب وہ سب باتیں لکھی ہیں جو مکہ مکرمہ کے مفتی شافعیہ شیخ احمد زینی دحلان (م ۱۳۰۴ھ) کی "خلاصۃ الکلام" سے نقل کی جا چکی ہیں (اور جو سو فیصدی غلط اور بے بنیاد ہیں)۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ مولانا موصوف ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک ۱۷-۱۸ سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے، اُسی زمانہ میں "الشہاب الثاقب" لکھی، مدینہ منورہ کے اس طویل قیام کی وجہ سے خود مولانا کے خیالات اور جذبات و تاثرات بھی اس بارے میں وہی تھے جو وہاں کے عوام و خواص کے تھے، اس لئے "الشہاب الثاقب" میں مولانا نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت کے بارے میں وہی سب کچھ لکھا جو وہاں کے خواص و عوام میں عام طور سے مشہور تھا، اور جو اُس زمانہ میں اُن کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں میں لکھا جاتا تھا۔ جس کا نمونہ ناظرین کرام شیخ دحلان مکیؒ کی "خلاصۃ الکلام" کے منقولہ بالا اقتباسات میں دیکھ چکے ہیں۔

الغرض ہندوستان کے اِن اکابر علماء و مصنفین (جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب) نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں جو ایسی باتیں لکھیں جو بالکل خلافِ واقعہ ہیں، وہ اُس پروپیگنڈے ہی سے متاثر ہو کر لکھیں جو اُن کے مذہبی اور سیاسی مخالفین کی طرف سے پورے عالمِ اسلام میں کیا جا رہا تھا ——

علامہ شوکانی یمنیؒ کی "البدر الطالع" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پروپیگنڈے سے وہ بھی متاثر ہوئے اور ان کو بھی حقیقتِ حال معلوم نہیں ہو سکی، حالانکہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے علاقہ اور مرکز دعوت (نجد) سے بہ نسبت علماء ہند کے بہت قریب تھے، ـــــ شیخ محمد بن عبدالوہاب، اُن کے فرزندوں اور تلامذہ کی تصانیف کا اُن تک نہ پہنچنا تعجب انگیز ہے (قاضی شوکانیؒ کی "البدر الطالع" کے اقتباسات بھی ناظرین آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" کے "کلیۃ الدعوۃ واصول الدین" کے ایک متعلم نے راقم سطور سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی اُن تحریروں کے بارے میں استفسار کیا تھا جن میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت کے بارے میں وہ باتیں لکھی گئی ہیں جو بالکل خلافِ واقعہ ہیں اور ان ہی کی بنیاد پر اُن کے خلاف بہت بُری رائے ظاہر کی گئی ہے ـــــ اس عاجز نے اُس کا جواب بسط و تفصیل سے لکھنا مناسب سمجھا، اس میں ان تحریروں کی اُس بنیاد اور پس منظر کا بھی ذکر کیا جو ناظرین کو سطور بالا سے معلوم ہو چکا ہے اور اُس کے ساتھ یہ بھی بتلایا کہ ان دونوں بزرگوں (حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور حضرت مولانا حسین احمدؒ) پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوا کہ اپنی حیات ہی میں ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اِس نجدی جماعت کے بارے میں جو باتیں عام طور سے مشہور تھیں اور جو اُن کے مخالف علماء نے اپنی کتابوں میں لکھی تھیں (جن کی بنیاد پر ہم نے اُن کے خلاف رائے ظاہر کی تھی) وہ صحیح نہیں تھیں ـــــ یہ معلوم ہو جانے کے بعد ان دونوں حضرات نے اپنی تحریرات اور بیانات کے ذریعہ

اس کا اعلان واظہار بھی کر دیا اور اس طرح گویا اپنی سابقہ تحریروں سے رجوع کر لیا تھا ـــــــ (اس کی تفصیل ناظرین کرام آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

راقم سطور کا یہ جواب ماہنامہ "الفرقان لکھنؤ" کی چار اشاعتوں میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں مناسب سمجھا گیا کہ اس سوال وجواب کو ایک مربوط مقالہ کی شکل میں مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے ـــــــ یہ چند صفحے جو آپ نے پڑھے اُس کے پیش لفظ اور مقدمہ کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ اب اگلے صفحہ سے آپ اصل مقالہ ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

محمد منظور نعمانی

۲۵ رجب ۱۳۹۸ھ (۲ جولائی ۱۹۷۸ء)

اعتراف وتشکر

ناچیز مصنف دلی شکریہ کے ساتھ اس کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک متعلم کے سوال کے جواب میں لکھے جانے والے سلسلۂ مضمون کو جو ماہنامہ الفرقان کی چار قسطوں میں شائع ہوا تھا ـــــــ اس مربوط مقالہ کی شکل میں مرتب کرنے میں دارالعلوم دیوبند کے عربی جریدہ "الداعی" کے مدیر مولانا بدر الحسن قاسمی نے میری بڑی مدد کی ـــــــ عنوانات تو زیادہ تر انہی کے لگائے ہوئے ہیں ـــــــ

جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

محمد منظور نعمانی

شیخ محمد بن عبد الوہاب
اور
اکابر علمائے دیوبند

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک متعلم کا استفساری مکتوب

مخدوم و معظم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ! دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

کچھ دنوں سے ذہن میں ایک اشکال ہے جس کا تعلق شیخ محمد بن عبد الوہاب کی شخصیت سے ہے، میں اپنی ذاتی معلومات اور مطالعہ کی بنا پر اُن کو ایک مصلح، خادم دین اور توحید و سنت کا علمبردار سمجھتا رہا، مجھے یاد آتا ہے کہ الفرقان میں بھی ان کا تذکرہ متعدد بار اسی حیثیت سے آیا ہے۔ بلکہ "شاہ ولی اللہ نمبر" کے ایک مضمون میں تو اُن کو مجدد دین میں شمار کیا گیا ہے۔ انہی وجوہ سے جب کسی کو ان کی تضلیل کرتے ہوئے سنا یا پڑھا تو یہ خیال ہوا کہ یہ صاحب اہلِ حق، حاملین توحید وسنت میں سے نہیں ہیں بلکہ شرک کے جراثیم زدہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

لیکن حال ہی میں ایک ساتھی نے بتلایا کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التصدیقات" میں اُن کو "اہل السنۃ" سے خارج قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں "ردّ المحتار" کے حوالہ سے علامہ ابن عابدین شامی کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں اُن کی رائے اور ان کا فتویٰ بھی یہی ہے ــــــ انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ نے اپنی تصنیف "الشہاب الثاقب" میں شیخ اور ان کی جماعت کے خلاف اور بھی زیادہ سخت لکھا ہے ــــــ پھر میرے اُن ساتھی نے یہ دونوں کتابیں (التصدیقات اور الشہاب الثاقب) مجھے دیکھنے کے لئے بھی دیں ــــــ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعہ وہی ہے جو انہوں نے مجھ سے بیان کیا تھا۔

اِن اکابر کی یہ رائے معلوم ہونے کے بعد قدرتی طور پر ذہن میں اشکال پیدا ہوا ــــــ دل میں یہی آیا کہ آپ کی طرف رجوع کروں ــــــ انشاء اللہ آپ کی وضاحت میرے لئے اطمینان بخش ہوگی ــــــ میرے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ الفرقان ہی میں تحریر فرما دیں اس طرح فائدہ عمومی بھی ہوگا اور وہ محفوظ بھی ہو جائے گا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ اگر آپ کے نزدیک وہ اہلِ حق میں سے ہیں تو پھر ان اکابر کی ان تحریروں کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں اور آپ کے نزدیک ان کی بنیاد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ والسلام

یہ سوال خود راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کے ذہن میں بھی کبھی کبھی پیدا ہوا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس بارے میں کچھ لکھا جائے لیکن اس کی نوبت اب تک نہیں آئی تھی ـــــ اب یہ خط اس کا محرک بن گیا۔

واللہ الموفق للصواب والسداد

کسی شخصیت کے بارے میں اچھی یا بُری رائے کی بنیاد

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ کسی شخصیت کے بارے میں اچھی یا بُری رائے اُس سے متعلق معلومات اور اطلاعات کی بنا پر قائم کی جاتی ہے، اور مختلف لوگوں کی معلومات اور اطلاعات کسی شخص کے بارے میں مختلف بھی ہو سکتی ہیں اُس کی وجہ سے رایوں کا مختلف ہو جانا قدرتی بات ہے، اور ایسا اختلاف باپ بیٹوں اور استادوں، شاگردوں میں بھی ہو سکتا ہے ـــــ آپ کو معلوم ہو گا کہ فرقۂ صابئین کی عورتوں سے نکاح کے جواز و عدم جواز کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کی رایوں میں اختلاف ہے، جو فقہ حنفی کی عام کتابوں میں مذکور ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل ہیں اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔

اس اختلاف کی بنیاد یہی ہے کہ امام اعظم کی اطلاع یہ ہے کہ صابئین اپنے کو کسی صاحبِ کتاب پیغمبر کی امت کہتے ہیں لہٰذا وہ یہود و نصاریٰ کی طرح

"اہل کتاب" میں سے ہیں، اور قرآن مجید نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا ہے ـــــ اور صاحبین کی اطلاع یہ ہے کہ یہ فرقہ کواکب پرست ہے مجوسیوں کی طرح مشرک ہے، کسی آسمانی کتاب اور پیغمبر سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان کی عورتوں سے نکاح کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح بہت سے راویانِ حدیث کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کی رایوں میں جو شدید اختلاف ہے کہ ان میں سے ایک کسی راوی کو "ثقہ عادل" قرار دیتا ہے اور دوسرا اسی راوی کو "کَذَّابٌ دجّالٌ" بتلاتا ہے تو اس سبب کی بنیاد اپنی اپنی معلومات و اطلاعات کا فرق و اختلاف ہی ہے۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی شخص کے بارے میں ایک صاحبِ نظر عالم بلکہ ایک امام وقت نے ایک زمانہ میں اچھی اطلاعات کی بنیاد پر بہت اچھی بلکہ عقیدتمندانہ رائے کا اظہار فرمایا، پھر جب اس کے خلاف باتیں اُن کے علم یا مشاہدہ میں آئیں تو اپنی پہلی رائے کے بالکل خلاف رائے ظاہر کی ـــــ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں امت کے جلیل القدر امام حضرت عبداللہ بن مبارک کا (جو امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ الاستاذ ہیں) ایک قول نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ـــــ پہلے مجھے عبداللہ بن محرّر سے ایسی عقیدت تھی کہ اگر مجھ سے کہا جاتا کہ جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو ابھی اس میں جا سکتے ہو اور چاہو تو عبداللہ بن محرّر سے ملاقات اور ان کی زیارت کر سکتے ہو تو میں یہ

پسند کرتا کہ پہلے عبداللہ بن محرر سے ملاقات کرلوں اس کے بعد جنت میں جاؤں ـــــــ لیکن جب میں اس شخص سے ملا اور اس کو قریب سے دیکھا تو میری نظر میں اُس کی قیمت ایک مینگنی کے برابر بھی نہیں رہی۔ (صحیح مسلم۔ مقدمہ ص۲۰)

الغرض کسی شخص کے بارے میں اچھی یا بری رائے کی بنیاد اُس سے متعلق معلومات اور اطلاعات ہی پر ہوتی ہے ـــــــ ہمارے سب اکابر کے مقتدا اور جماعت دیوبند کے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ایک استفتا کیا گیا، اس میں بہت سے سوالات تھے ایک سوال شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں بھی تھا ـــــــ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

"محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کا مجھ کو حال معلوم نہیں۔"

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص۶۲)

کسی دوسرے وقت آپ سے کسی اور شخص نے استفتا کیا کہ "وہابی کون لوگ ہیں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کون سا مذہب تھا، اور وہ کیسا شخص تھا، اور اہل نجد کے عقائد میں اور سُنّی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟" ـــــــ تو اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:

"محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، اُن کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ اُن کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے اُن میں

فساد آگیا ہے، اور عقائد سب کے متحد ہیں، اعمال میں فرق حنفی، شافعی مالکی، حنبلی کا ہے۔" (فتاوی رشیدیہ حصہ اول صے)

ان دونوں فتووں میں سے کسی پر تاریخ نہیں لکھی گئی ہے ـــــ لیکن قرین قیاس بلکہ ظاہر یہی ہے کہ پہلا جواب اس زمانہ کا ہے جبکہ حضرتؒ کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد اور حالات کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا ـــــ پھر جب کسی قابل اعتماد ذریعہ سے معلومات حاصل ہوئے تو آپ نے اُن کے متعلق یہ دوسری رائے ظاہر کی ـــــ بہرحال کسی شخص کے بارے میں رایوں کا اس قسم کا اختلاف معلومات اور اطلاعات کے اختلاف ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ایک قابل لحاظ حقیقت

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ایک دوسری یہ واقعی حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اُن کی دعوت و تحریک صرف وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف یا تبلیغی دوروں تک محدود نہیں تھی بلکہ جہاد بالسیف بھی اُس کا ایک جز تھا ـــــ وہ قبروں کو سجدہ کرنے، نذر نیاز چڑھانے، اُن سے مرادیں مانگنے اور اس طرح کے تمام مشرکانہ افعال کو بُت پرستی کی طرح شرک اور ان کے مرتکبین کو مشرک قرار دیتے تھے، اسی طرح تارکینِ صلوٰۃ (بے نمازیوں) کو (امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق) خارج از اسلام کافر سمجھتے تھے۔ اور اس طرح کے سب لوگوں کے بارے میں (جو اپنے کو مسلمان کہتے ہوں اور کسی طرح کے کفر یا شرک کے مرتکب ہوں) اُن

کا نقطۂ نظر اور رویہ (جو ان کی کتابوں میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے) یہ تھا کہ ان کو قرآن وحدیث کے حوالوں سے پہلے اللہ ورسول کا حکم پہنچایا جائے اور ناصحانہ طور پر سمجھانے کی کوشش کی جائے اور پوری طرح حجت کا اتمام کیا جائے، اگر اس کے بعد بھی باز نہ آئیں تو پھر بشرطِ استطاعت ان کے خلاف جہاد کیا جائے۔

اپنے اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر وہ یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ "مسلمانوں" میں سے (مذکورہ بالا قسم کا) کفر وشرک ختم کرنے کے لئے اور صحیح اسلام پر اُن کو لانے کے لئے سیاسی اور حکومتی اقتدار حاصل کیا جائے۔ اور علاقہ نجد کی ایک ریاست "درعیہ" کی آل سعود کی حکومت) جس نے اُن کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اِس سیاسی اور حربی مہم کی علمبردار بن گئی تھی، لیکن اُس کے قائد اور روحِ رواں شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی تھے، اُن کے بعد اُن کی اولاد کا یہی کام اور مقام تھا۔

آس پاس کی اکثر ریاستوں سے ان کی جنگیں بھی ہوئیں جن میں تحریک کے ابتدائی دور میں اکثر وبیشتر ان کو کامیابی حاصل ہوئی اور "درعیہ" کی آل سعود کی حکومت کی حدود کافی وسیع ہو گئیں ـــــ پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے بڑھ کر حرمین شریفین پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں بھی حکومت کی طاقت سے اپنے دینی ومذہبی نقطہ نظر کے مطابق انہوں نے اصلاحات نافذ کیں مزارات پر بنے ہوئے قبے تڑوائے اور اس طرح کے اور بھی اقدامات کئے[1]۔ اس سلسلہ میں مختلف بلاد

---

[1] ان اقدامات کی تفصیل شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت وجماعت کے سخت ترین مخالف

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

وامصار اور مختلف علاقوں کے ان علماء کی طرف سے ان کی شدید مخالفت ہوئی اور فتوے جاری ہوئے جو اُن سے مذہبی اور مسلکی اختلاف رکھتے تھے ـــــ اور ان میں سے بہت سوں نے اس مخالفت میں وہی روش اختیار کی اور اُسی طرح کا پروپیگنڈہ کیا جیسا کہ ہمارے ملک میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مخالف علماء نے شرک و بدعات کے خلاف ان کی جدوجہد اور "تقویۃ الایمان" کی تصنیف واشاعت کے بعد کیا تھا جس کا سلسلہ راہِ خدا میں ان کی شہادت پر قریباً ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے باوجود ابھی تک چل رہا ہے۔

پھر جن ریاستوں یا حکومتوں سے آلِ سعود کی حکومت کا ٹکراؤ ہوا (جس کی اصلی طاقت اور روح بلاشبہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت وتحریک ہی تھی) اور علیٰ ہذا جن حکومتوں نے اس دعوت وتحریک کو اپنے لئے سیاسی خطرہ سمجھا، انہوں نے بھی اس کا راستہ روکنے اور عالمِ اسلامی میں اس کے خلاف نفرت وعداوت کی آگ بھڑکانے کے لئے اُن کے خلاف مذہبی پروپیگنڈے ہی کو حکومتی ذرائع سے آگے بڑھایا، اور اس تدبیر سے انہوں نے اپنے مقصد میں یقیناً بڑی کامیابی حاصل کی۔

سیاسی پروپیگنڈہ کے حیرت انگیز اثرات، خدا کی پناہ! | حکومتی اور سیاسی پروپیگنڈہ باز کیسے شاطر اور کتنے ناخداترس ہوتے ہیں اور بالکل بے اصل بات کو

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) شیخ احمد زینی دحلان مکیؒ کی کتاب "خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام" میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جلد دوم ص۲۷۷ تا ص۲۷۹ و ص۲۹۲ ومابعد۔

عوام میں پھیلا دینے اور اُس کا یقین اُن کے دلوں میں اتار دینے میں کیسے کامیاب ہو جاتے ہیں، اس کا تجربہ اور مشاہدہ خود ہم نے ہندوستان کی جنگ آزادی کے دوران کیا ہے ـــــ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور جمعیۃ علمائے ہند" سے تعلق رکھنے والے اُن کے خاص رفقا کو جو شخص جانتا ہے (اور الحمد للہ راقم سطور بھی اُن کے نیازمندوں میں ہے) اُس کو ایسے یقین کے ساتھ معلوم ہے جس کی بنا پر شرعی حلف کے ساتھ بیان کرنا اس کے لئے جائز ہے کہ یہ حضرات انگریزوں کی حکومت کے خلاف آزادی کی جنگ کو اپنے حق میں "جہاد فی سبیل اللہ" سمجھتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے بعد سے اور تحریک خلافت کے آغاز سے، انڈین نیشنل کانگرس کی جنگ آزادی کی حمایت بلکہ اس میں شرکت کا فیصلہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں جیلوں میں جاتے اور ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے ـــــ لیکن مسلمانوں ہی میں سے اُن کے سیاسی مخالفین نے، خدا سے بے خوف اور آخرت کے محاسبہ سے بالکل بے پروا ہو کر جو پروپیگنڈا اُن کے خلاف کیا، اُس کا یہ نتیجہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیچارے جاہل عوام ہی نہیں، بہت سے اچھے خاصے پڑھے لکھے اور روزہ نماز سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ یہ "جمعیتی مولوی" کانگرس سے اور ہندو سیٹھوں سے تنخواہ پاتے ہیں، اسی لئے کانگرس کی حمایت کرتے ہیں ـــــ

سیاسی پروپیگنڈہ بازوں سے بس خدا کی پناہ!

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت وجماعت کے خلاف اُن کے مذہبی اور سیاسی مخالفین کا پروپیگنڈہ کتنا کامیاب ہوا اُس کا اندازہ اُن سب حضرات کو ہوگا جن کو پچھلی صدی کے مسلمانوں کی تاریخ سے کچھ واقفیت ہے۔ سوچنے سمجھنے والے کچھ اندازہ اس سے بھی کر سکتے ہیں کہ اس پروپیگنڈہ ہی کے نتیجہ میں "وہابی" کا لفظ ایک مذہبی گالی بن گیا۔

چند عبرت انگیز واقعات | اس سلسلہ کی قابلِ ذکر اور لائق عبرت سنی سنائی اور کتابوں میں پڑھی ہوئی باتیں تو بہت سی ہیں، یہاں میں دو واقعے ذکر کرتا ہوں جن سے میں خود گزرا ہوں۔

(۱) میں نے جب ہوش سنبھالا اور اس طرح کی باتیں سننے سمجھنے کے لائق ہوا (جبکہ میری عمر ۷-۸ سال کی ہوگی) تو اپنے وطن بلکہ خاص ماحول میں ایک مشہورِ عام اور مسلّمہ واقعہ کی طرح برابر یہ سنا کہ "کوئی شخص عبدالوہاب نجدی تھا وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا دشمن تھا کہ اُس نے روضۂ اقدس میں اس ناپاک غرض سے سرنگ لگائی تھی کہ حضورؐ کے جسد اطہر کو (معاذ اللہ) نکال کے اس کی بے حرمتی اور توہین کرے، اُس زمانہ کے مسلمان بادشاہ کو خواب میں حضورؐ کی زیارت ہوئی اور آپ نے اس کو یہ بات بتلائی، اس نے فوراً اُٹھ کے تلاش اور کھدائی کرائی تو سرنگ کا پتہ چل گیا اور وہ نجدی عبدالوہاب

پکڑا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔[1]

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنے بچپن میں یہ واقعہ بار بار سنا اور اس طرح سنا کہ اُس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی بہت مدت تک مجھے اس کے بارے میں کبھی شک نہیں ہوا ـــــ مجھے معلوم نہیں کہ یہ قصہ کہیں اور بھی

---

[1] یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ جاہل عوام "عبدالوہاب نجدیؒ ہی کو" وہابیت" کا موجد اور اصل مجرم جانتے تھے اور انہی کو گالیاں دے کر دل کا بخار نکالتے تھے۔ یہ اس بات سے بالکل ناواقف تھے کہ بزرگوں کی قبروں پر بنے ہوئے قبوں کو توڑنے والی اور قبروں کو سجدہ کرنے، نذر نیاز چڑھانے، اُن سے مرادیں مانگنے اور اس طرح کے دوسرے مشرکانہ اعمال واطوار کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والی شخصیت دراصل شیخ عبدالوہاب کے بیٹے شیخ محمد کی تھی جو تاریخ میں "شیخ محمد بن عبدالوہاب" کے نام سے معروف ہیں ـــــ اُن کے والد شیخ عبدالوہاب حنبلی بھی اگرچہ اپنے وقت کے بڑے عالم اور فقیہ تھے اور عُیَیْنَہ و حریملہ کے قاضی تھے، لیکن وہ اپنے خاص سکون پسند مزاج کی وجہ سے اپنے بیٹے شیخ محمد کی برپا کی ہوئی ہنگامہ خیز تحریک اور جدوجہد سے عملاً الگ رہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے کو الگ اور یکسو رکھنے کے لئے اپنے اصل وطن "عُیَیْنَہ" کی سکونت ترک کر کے اسی علاقہ کے دوسرے قریبی شہر "حریملہ" میں سکونت اختیار کر لی تھی، کیونکہ "عُیَیْنَہ" شیخ محمد کی تحریک کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ بات ہر اُس شخص کے علم میں ہے جو اس خاندان کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتا ہے۔ بلکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ایک سخت مخالف بلکہ دشمن، شیخ احمد زینی دحلان مکی نے تو اپنی کتاب "خلاصۃ الکلام" میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالوہاب اپنے بیٹے کی دعوت و تحریک کے سخت خلاف تھے۔

(خلاصۃ الکلام ص۲۲۹)

اس طرح مشہور تھا یا نہیں، لیکن میرے وطن اور خاص کر میرے بچپن کے ماحول میں یہ عام لوگوں کی زبانوں پر تھا، اور جہاں تک اب مجھے یاد ہے وہ اس کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ گویا یہ ایک مسلّمہ تاریخی واقعہ ہے جو سب کے علم میں ہے ——— اب یہ مجھے یاد نہیں کہ کب یہ بات میرے علم میں آئی کہ یہ بالکل بے اصل، دشمنوں کا گھڑا ہوا افسانہ ہے۔

دوسرا واقعہ جو میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ خاص مکہ معظمہ کے ایک معمّر بزرگ نے (جو بے علم عامی نہیں بلکہ صاحب علم بھی تھے) خود راقم سطور سے بیان فرمایا کہ یہ "نجدی وہابی" (کلمہ شریف کے بارے میں) کہا کرتے تھے کہ "ایش محمدٌ رسول اللّٰہ" قل "لا الٰہ الا اللّٰہ" (یعنی محمد رسول اللہ کیا ہوتا ہے، بس "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہو)۔

ظاہر ہے کہ اس بات کے قطعاً بے بنیاد اور سو فیصد جھوٹ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور اب تو ہر شخص خاص کر حجاز مقدس کا رہنے والا ہر شخص جانتا ہے اور آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ ان نجدی وہابیوں کے توسرکاری جھنڈے پر بھی پورا کلمہ شریف "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" لکھا رہتا ہے۔ یہی ان کا شعار و نشان اور اُن کی دعوت و تحریک کی اصل و اساس ہے، نیز اُن کی کتابوں کا ایک ایک صفحہ اس کا شاہد ہے۔

میں یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مکہ مکرمہ کے جن معمّر

بزرگ نے یہ بات مجھ سے بیان کی تھی، میرا خیال ہے کہ انہوں نے ہرگز دانستہ غلط بیانی اور بہتان تراشی نہ کی ہوگی بلکہ حجاز مقدس کی موجودہ نجدی حکومت کے دور سے پہلے اپنی پوری زندگی میں انہوں نے یہی سنا ہوگا (کیونکہ اِن نجدیوں کے مذہبی اور سیاسی حریف اُن کے خلاف ایسی ہی باتیں اڑایا کرتے تھے اور پروپیگنڈہ نے فضا ایسی بنادی تھی کہ لوگ یقین کر لیتے تھے) تو ان بزرگ کے دل و دماغ میں اسی زمانہ میں یہ باتیں بیٹھ گئی ہوں گی ——— واللہ اعلم

بہرحال یہ دو مثالیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سیاسی اور مذہبی مخالفین نے اُن کے اور اُن کی دعوت کے متعلق کس کس طرح کا پروپیگنڈا کیا اور عالم اسلامی کے عوام و خواص اس سے کتنے متاثر ہوئے۔

اس تمہید کے بعد میں اصل سوال کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور "التصدیقات"

واقعہ یہ ہے کہ "التصدیقات" حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ اُس کا قصہ یہ ہے کہ اب سے ۷۰-۷۲ برس پہلے ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ کے بعض علماء نے ایک خاص واقعہ[1] کی وجہ سے (جس کی تفصیل طوالت طلب اور یہاں غیر ضروری ہے)

---

[1] اس سے مراد ہندوستان کے قبوری بدعتین کے سرکردہ مولوی احمد رضا خاں کا برپا کیا ہوا "حسام الحرمین" کا فتنہ ہے جس کی کچھ تفصیل ناظرین کو اسی مقالہ کے آخری حصہ سے معلوم ہوجائے گی۔

جماعت دیوبند اور اُس کے اکابر کے عقائد و نظریات اور اُن کے مسلک و مشرب سے متعلق کچھ تحریری سوالات حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے پاس بھیجے تھے ـــــ مولانا نے اُن کے جوابات لکھے اور جماعت کے دوسرے اکابر نے بھی اُن کی تصدیق و توثیق کی۔ پھر ان سوالات و جوابات اور تصدیقات کا مجموعہ اردو ترجمہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ اسی کا نام "التصدیقات" ہے ـــــ ان سوالات میں بارھواں[۱۲] سوال یہ تھا۔ (ذیل میں سوال و جواب کا صرف اردو ترجمہ دیا جا رہا ہے):

بارھواں سوال: محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور اُن کے مال آبرو کو۔ اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا ـــــ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور کیا سلف اور اہل قبلہ کی تکفیر کو تم جائز سمجھتے ہو، کیا مشرب ہے؟

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے سائل کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ:

ہمارے نزدیک اُن کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ ـــــ "خوارج ایک جماعت ہے شوکت (و طاقت) والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی تاویل سے، کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہمارے جان

اور مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔۔۔ (آگے فرماتے ہیں) اُن کا حکم باغیوں کا ہے (پھر یہ بھی فرمایا) ہم اُن کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے کہ ان کا یہ فعل تاویل سے ہے اگرچہ باطل ہی سہی ؒ"

اور علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب[1] کے تابعین سے سرزد ہوا، کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے کو حنبلی مذہب بتلاتے تھے لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بنا پر انہوں نے اہل سنت اور علمائے اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت (وطاقت) توڑ دی ۔۔۔۔ باقی رہا سلف اہلِ اسلام کو کافر کہنا سو حاشا کہ ہم ان میں سے کسی کو کافر کہتے یا سمجھتے ہوں الخ"

(التصدیقات ص ۱۳-۱۴)

اس جواب سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے احوال و عقائد کے بارے میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح کی خود اپنی کوئی خاص

---

[1] علامہ شامی کی عبارت میں اس جگہ "عبدالوہاب" ہی کا نام ہے "التصدیقات" میں وہی عبارت "رد المحتار" سے نقل کی گئی ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی بھی اُسی غلط فہمی میں مبتلا تھے جس میں دوسرے بہت سے لوگ مبتلا ہیں کہ وہ "وہابی تحریک" کا بانی اور علمبردار "شیخ عبدالوہاب" کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ایک گذشتہ حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے۔

واقفیت اور تحقیق ہے یا انہوں نے "شیخ" کی یا ان کے متبعین میں سے کسی کی کوئی کتاب دیکھ کر رائے قائم کی ہے ـــــــ بظاہر انہوں نے اپنے جواب میں سوال کرنے والے صاحب کے بیان پر اعتماد کیا ہے (جو ایک مدنی عالم تھے) نیز صاحب "رد المحتار" علامہ ابن عابدین شامی کے بیان کو بھی مولانا نے اس کا مؤید پایا[1] ـــــــ اور ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کے اقوال و احوال وہ ہوں جو مندرجہ بالا سوال میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین کے بیان کئے گئے ہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم وہی ہو گا جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے لکھا ہے۔

حرمین شریفین اور دوسرے بلاد اسلامیہ میں وہابی تحریک کے خلاف مذہبی و سیاسی پروپیگنڈے کا اثر

اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ اُس سیاسی اور مذہبی پروپیگنڈے کے نتیجے میں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، حرمین شریفین میں اور اکثر دوسرے بلاد اسلامیہ میں بھی، اِن اہل نجد اور ان کی دعوت و تحریک سے

---

[1] علامہ ابن عابدین شامی، شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹوں، پوتوں اور شاگردوں کے معاصر ہیں جو دعوت اور تحریک کی قیادت میں شیخ کے گویا خلفاء تھے۔ اور اُن کی جو عبارت یہاں جواب میں نقل کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین پر آل سعود کی حکومت کا قبضہ اور پھر اس قبضہ کا خاتمہ علامہ شامی کے زمانہ ہی میں ہوا ـــــــ شیخ احمد زینی دحلان کے بیان کے مطابق حرمین شریفین پر نجدی حکومت کا قبضہ ۱۲۲۰ھ سے ۱۲۲۷ھ تک رہا۔

(خلاصۃ الکلام ص ۲۳۸)

متعلق اسی طرح کی بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب باتیں عام طور سے مشہور تھیں۔
شیخ احمد بن زینی دحلان (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے (جو اپنے دور میں مکہ مکرمہ کے اکابر علماء شوافع میں سے تھے) اپنی کتاب "خلاصۃ الکلام" میں (جو تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے) شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کے متبعین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اگر وہ صحیح اور ثابت مان لیا جائے تو ایک مسلمان کا خون کھولا دینے کے لئے بالکل کافی ہے۔ (خلاصۃ الکلام کی عبارت ناظرین کرام مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں) ـــــ اس طرح کی باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ حرمین شریفین کے لوگ اہل نجد کو یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کا بیان

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح نے (جو ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک مسلسل ۱۷-۱۸ سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے) اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں لکھتے ہوئے اہلِ عرب و اہلِ حرمین کا یہ حال لکھا ہے کہ:

"اہل عرب کو خصوصاً اس سے (محمد بن عبدالوہاب سے) اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ نہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔" ص۴۷

اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح نے ۱۳۲۵ھ سے پہلے حج و زیارت

کے لیے کم از کم تین سفر حرمین شریفین کے کئے تھے[1] اور وہاں کے اکابر علماء و اعیان سے آپ کی ملاقاتیں بھی رہی تھیں، تو اس کا پورا امکان ہے کہ وہاں کی اس فضا سے آپ بھی متاثر ہوئے ہوں ـــــ اور اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا کہ مولانا نے شیخ محمد بن عبد الوہاب یا اُن کے حلقہ کے کسی عالم کی کوئی تصنیف دیکھی ہو یا اُن میں سے کسی سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کی نوبت آئی ہو، اور اس کی بنا پر وہ رائے قائم ہوئی ہو جو مولانا نے ایک ـــــ مدنی عالم کے سوال کے جواب میں "التصدیقات" میں لکھی ہے۔

نجدی وہابیوں کے بارے میں مولانا سہارنپوریؒ کی رائے میں تبدیلی

لیکن "التصدیقات" کی اس تحریر کے قریباً بیس[20] سال بعد جب آپ نے ۱۳۴۴ھ میں حجاز مقدس کا آخری سفر فرمایا اور پھر ہجرت کی نیت کر کے مدینہ منورہ ہی میں قیام فرما لیا تو حسنِ اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حرمین شریفین پر سلطان نجد عبد العزیز بن سعود کا (گویا شیخ محمد بن عبد الوہاب کی جماعت کا) قبضہ ہو چکا تھا ـــــ اسی زمانہ میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سلسلہ کے مشہور عالم شیخ عبد اللہ بن بلیہد بھی (جو سعودی حکومت کی طرف سے حجاز مقدس کے قاضی القضاۃ تھے) مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور ان کا مکان اتفاق سے حضرت مولانا کی قیام گاہ سے قریب ہی تھا، اُن سے مسلسل ملاقاتوں، گفتگوؤں اور ان کے احوال کے

---

[1] پہلا سفر ۱۲۹۳ھ میں دوسرا ۱۲۹۷ھ میں اور تیسرا ۱۳۲۲ھ میں۔

مشاہدہ کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب اس نجدی جماعت کے بارے میں مولانا کی جو رائے قائم ہوئی وہ انہوں نے اُسی زمانہ میں لاہور کے مشہور روزنامہ "زمیندار" کے اڈیٹر مولانا ظفر علی خاں کے نام ایک مکتوب میں لکھی تھی، یہ مکتوب اُسی زمانہ میں "زمیندار" میں شائع ہوا تھا اور اُس کے بعد "اکابر کے خطوط" نامی کتاب میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

اڈیٹر زمیندار کے نام مولانا سہارنپوری کا مکتوب گرامی

مولانا اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"قاضی القضاۃ شیخ عبداللہ بن بلیہد جن کا مکان میرے مکان کے قریب ہی ہے، اُن سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے اور دینی مسائل میں گفتگو بھی ہوتی ہے، بڑے عالم ہیں، مذہب اہل سنت و جماعت رکھتے ہیں، ظاہر حدیث پر جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ہے، عمل کرتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم کی کتابوں کو زیادہ محبوب اور پیش نظر رکھتے ہیں، ہمارے علماء کے نزدیک بھی یہ دونوں بزرگ بڑے مرتبہ کے عالم ہیں ــــ بدعات اور محدثات سے نہایت متنفر ہیں، توحید و رسالت کو اپنے ایمان کی جڑ قرار دے رکھا ہے ــــ الغرض میں نے جہاں تک خیال کیا اہل سنت کے عقائد سے ذرا بھی انحراف نہیں، اور اکثر اہل نجد قرآن شریف پڑھے ہوئے ہیں، کثرت سے حفاظ ہیں، صلوٰۃ باجماعت کے نہایت پابند ہیں۔ آجکل

مدینہ منورہ میں سخت سردی کا زمانہ ہے۔ مگر اہل نجد صبح کی نماز میں
پابندی کے ساتھ آتے ہیں'۔۔۔ بہر حال اس قوم کی حالتِ دینی نہایت
اطمینان بخش دیکھی ہے" (اکابر کے خطوط ص ۱۱-۱۲)

حضرت سہارنپوری کا ایک اور مکتوب

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحؒ کے مندرجہ بالا مکتوب بنام مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے علاوہ اِسی موضوع اور اسی مسئلہ سے متعلق اُسی زمانہ کا لکھا ہوا حضرت ممدوح کا ایک اور نہایت اہم مکتوب ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے نواسے حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب کو اُن کے ایک خط کے جواب میں ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ سے لکھا تھا (اور وہ "ماہنامہ النور تھانہ بھون" کے رجب ۱۳۴۵ھ کے شمارہ میں شائع بھی ہوگیا تھا[1]) یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں اہل بدعت اور شیعوں کے "متحدہ محاذ" کی طرف سے ابن سعود کی وہابی حکومت اور وہابیوں کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان برپا تھا اور لوگوں کو حج سے روکا جا رہا تھا جس کی تفصیل ناظرین کرام اس مقالہ کے آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے۔

---

[1] حضرت سہارنپوریؒ کا یہ مکتوب بھی "خطوط اکابر" کے مرتب و ناشر (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کے نواسے) عزیزم مولوی محمد شاہد صاحب مظاہری سہارنپوری کی تلاش و محنت سے دریافت ہوا ہے، اور راقم سطور کو اس کی نقل انہی سے دستیاب ہوئی ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔ نعمانی عفز لہٗ

الغرض اس فضا اور اس ماحول میں حضرت حافظ محمد یعقوب گنگوہیؒ نے حضرت سہارنپوری کو مدینہ طیبہ خط لکھ کر "ابن سعود کی وہابی حکومت" کے بارے میں دریافت کیا تھا ـــــــ حضرتؒ نے اُس کے جواب میں جو مکتوب ارسال فرمایا اُس کا جو حصہ سوال سے متعلق ہے وہ بلفظہٖ درج ذیل ہے۔

تحریر فرماتے ہیں:

"میرے خیال میں یہ حکومت ـــــ اس زمانہ کے اعتبار سے نہایت دیندار واقع ہوئی ہے اور نیک نیتی کے ساتھ کام کر رہی ہے، جس قدر بڑے بڑے کام ہوتے ہیں کوئی بھی میرے نزدیک ایسا نہیں جس میں دین کا پہلو نہ ہو اور بعض امورِ صغار جس میں کچھ فروگذاشت ہو رہی ہے جہاں تک میں غور کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت کے پاس لائق منتظم دیندار آدمی نہیں، اس وجہ سے بعض انتظامات میں کوتاہی ہو رہی ہے اپنی ذات سے سلطان ابن سعود نہایت دیندار حکیم متحمل مزاج واقع ہوا ہے مگر ایک آدمی جبتک کہ اس کے ہاتھ پیر نہ ہوں کیا کر سکتا ہے۔ امن کی حالت تو یہ ہے کہ ایک ایک دو دو اونٹ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور ینبوع اور جدہ کے درمیان آجا رہے ہیں کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ جہاں تک شکایت کا خیال کیا جا رہا ہے اس کا مبنیٰ قبہ شکنی ہے جس کو جہّال نے روافض کے ساتھ مل کر اپنا دین و ایمان قرار

دے رکھا ہے۔ میرے نزدیک اُن کا انہدام یقیناً واجب ہے اور حکومت نے بھی علماء مدینہ سے استفتاء کر کے جب یہاں کے علماء نے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے اس وقت انہدام کی جرأت کی ہے۔

مولوی ۔۔۔۔ صاحب نے جو آپ کو یہ لکھا کہ حکومت سے جو توقعات تھیں ویسی نہ نکلیں معلوم نہیں کہ ان کے کانوں میں کیا باتیں پہنچائی گئیں۔ میری طرف سے مولوی صاحب کو لکھ دیجیو ۔۔۔۔ کہ میرا جو وہاں خیال تھا اور وہ یہاں پہنچ کر اور حالات دیکھ کر میں کچھ زیادہ احسان کی نظر سے حکومت کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا ہوں۔ فقط

خلیل احمد از مدینہ طیبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ[1]

حضرت مولانا کے ان دونوں مکتوبوں کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۵ھ میں کسی مدنی عالم کے سوال کے جواب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں جو لکھا تھا (جو "التصدیقات" میں شائع ہوا ہے) اس کی بنیاد ذاتی علم و واقفیت پر نہیں تھی، بلکہ سائل کے بیان اور عام شہرت کی بنا پر (جس کی ایک حد تک تائید علامہ شامیؒ کے بیان سے بھی ہوتی تھی) مولانا نے جواب لکھا تھا ـــــ لیکن اس کے بعد جب اُس جماعت کے خواص علماء اور عوام کو دیکھا اور ان کے عقائد اور

---

[1] ماخوذ از ماہنامہ "النور" تھانہ بھون ماہ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ ص ۲۳۔

اعمال و احوال کا براہِ راست علم اور مشاہدہ ہوا تو مولانا کی رائے وہ قائم ہوئی جو مندرجہ بالا دونوں مکتوبوں میں قلم بند فرمائی گئی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمدؒ کی رائے کی بنیاد راقم سطور کے نزدیک بالکل یہی معاملہ حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، حضرت مولانا کا قیام ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک مدینہ منورہ میں رہا۔ اور اس زمانہ کے اپنے تجربہ اور احساس کی بنا پر مولانا کا یہ بیان "الشہاب الثاقب" ہی کے حوالہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے کہ "اہلِ عرب شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کے متبعین سے یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود سے بھی زیادہ نفرت و عداوت رکھتے تھے" ——— اور یہ بھی واقعہ ہے کہ شیخ احمد زینی دحلان کی "خلاصۃ الکلام" اور "الدرر السنیہ" اور نجدی وہابیوں کے خلاف دوسرے عرب علماء کی اس طرح کی متعدد کتابیں شائع ہو کر قریب قریب ہر پڑھے لکھے کے ہاتھ میں پہنچ چکی تھیں جن میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت و جماعت کے بارے میں اسی طرح کی سخت اشتعال انگیز باتیں لکھی گئی تھیں جن کا نمونہ ناظرین کرام مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ یہی چیزیں اس نجدی جماعت کے بارے میں حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کے معلومات کا ذریعہ تھیں۔ ان معلومات اور اطلاعات نے اُن کے قلب میں اس جماعت کے خلاف وہ شدید غیظ و غضب پیدا کر دیا تھا جس کی شدت "الشہاب الثاقب" کا مطالعہ کرنے والوں کو بہت زیادہ محسوس

ہوتی ہے۔

یہ سطریں لکھتے ہوئے راقم سطور کا ذہن حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اس واقعہ کی طرف منتقل ہو گیا جس کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ حضرت ہارون فی الواقع قصوروار نہیں تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو قصوروار سمجھ کر اُن کے خلاف اس طرح غیظ و غضب کا اظہار فرمایا کہ اُن کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے اور اس غصّہ اور جلال نے ان کو واقعہ کی تحقیق کی بھی فرصت نہیں دی ـــــــ پھر بعد میں حقیقت حال معلوم ہو جانے پر استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین[1]۔

اس بارے میں حق وہی ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے بیان فرمایا ہے

اس عاجز کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بعض دیگر علماء کی کچھ کتابوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملا اُن کی تاریخ اور سوانح کے سلسلہ میں بھی بعض چیزیں پڑھیں، ان کے بعض سخت

---

[1] ایک اخباری بیان کے ذریعہ اپنی رائے سے مولانا مدنی کا رجوع

حضرت مولانا حسین احمدؒ کے بارے میں یہ جو کچھ لکھا گیا تھا وہ صرف اندازہ اور قیاس سے لکھا گیا تھا ـــــــ یہ بات بعد میں معلوم ہوئی کہ مولانا ممدوح نے ۵۲-۵۳ سال پہلے ۱۹۲۵ء میں ایک اخباری بیان میں اس کا اعتراف کیا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں انہوں نے "الشہاب الثاقب" میں جو رائے ظاہر کی تھی اس کی بنیاد عام شہرت اور ان کے مخالفین کی کتابوں کے بیانات پر تھی اور اب وہ خود اس کو غلط سمجھتے ہیں۔ مولاناؒ کا یہ اخباری بیان ناظرین کرام اسی مقالہ کے آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

مخالفین کی تصانیف بھی دیکھی ہیں ـــــــ ان سب چیزوں کے مطالعہ کے بعد راقم سطور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے متعلق ایک استفتا کا جواب دیتے ہوئے مختصر الفاظ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ نہایت محققانہ اور مبصرانہ رائے ہے ـــــــ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جواب اوپر بھی نقل کیا جا چکا ہے ـــــــ ناظرین اس کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، اُن کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب حنبلی تھا البتہ اُن کے مزاج میں شدّت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا ......الخ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱ج)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و تحریک کے بارے میں اس ناچیز کی رائے

اس مضمون کے لکھتے وقت شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اپنی دعوت اخلاصِ توحید و اتباعِ سنت کے سلسلہ کی سب سے اہم اور بنیادی تصنیف "کتاب التوحید" اور اسی سلسلہ کے اُن کے خاص رسالے "کشف الشبہات" نیز ان کی سوانح حیات اور دعوت سے متعلق متعدد کتابوں کا راقم سطور نے پھر مطالعہ کیا، اس عاجز کو اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ جس شخص نے اللہ کی توفیق سے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید خالص کی دعوت کو سمجھا ہو اور اُس سے اُس کو محبت ہو اور شرک و

بدعت اوران کی تمام شکلوں اور قسموں سے اس کو بغض و عداوت ہو (جوایک سچے مومن کو ہونی چاہیئے) وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے اصولی اور بنیادی طور پر پورا اتفاق کرے گا (اگرچہ بعض جزئیات میں اس کو "شدت" محسوس ہو اور بعض تفریعات میں رائے کا اختلاف ہو جو اہل حق میں بھی ہو سکتا ہے)۔

اُن کا مسلک اور دین کے بارے میں ان کا طرز فکر بنیادی طور پر وہی ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اُن کے تلامذہ حافظ ابن القیم وغیرہ کا ہے اور ہمارے اساتذہ و اکابر کا رویہ اِن حضرات کے بارے میں یہ ہے کہ (بہت سے مسائل اور تحقیقات میں اختلاف کے باوجود) ان کو اکابر علماء امت میں شمار کرتے اور اُن کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے لیتے ہیں ——— گذشتہ صفحات میں، روزنامہ "زمیندار لاہور" کے اڈیٹر مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے نام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا جو پہلا مکتوب نقل کیا گیا ہے اس میں حضرت ممدوح نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن القیم کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ:

"ہمارے علماء کے نزدیک بھی یہ دونوں بزرگ بڑے مرتبہ کے عالم ہیں۔"

بہرحال شیخ محمد بن عبدالوہاب کا مسلک اور طرزِ فکر بالکل وہی ہے

جوان دونوں بزرگوں کا ہے ـــــ ان دونوں حضرات کا فقہی موقف اور مسلک جیساکہ اہل علم کو معلوم ہے یہ ہے کہ یہ حنبلی ہیں لیکن اگر فقہ حنبلی کے کسی مسئلہ کو یہ حدیث صحیح کے خلاف پائیں تو اس کو چھوڑ کے حدیث کا اتباع کرتے ہیں ـــــ یہی مسلک اور موقف شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ہے جس کی انہوں نے اپنی تصانیف میں بار بار تصریح کی ہے ـــــ اصولی طور پر یہ بعینہٖ وہ طرز فکر اور طرز عمل ہے جو ہندوستان کے ہمارے اکابر علمار حنفیہ میں استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے (جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے معاصر بھی ہیں[1]) جیساکہ ہر اُس شخص کے علم میں ہے جس نے شاہ صاحب کی تصانیف "حجۃ اللہ البالغہ" "مؤطا امام مالک کی شروح "مسوّیٰ" و "مصفّیٰ" "عقد الجید" اور "انصاف" وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم اور شیخ کی جانب سے الزامات کی تردید

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی دعوت کے خلاف جس پروپیگنڈے اور بہتان تراشی کی جس مہم کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے، اس کا سلسلہ اُن کی حیات ہی میں شروع ہوگیا تھا اور انہوں نے ایک سچے مومن اور مخلص داعی کی

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت ۱۱۱۴ھ میں ہوئی اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی ولادت ۱۱۱۵ھ میں ہوئی اور ۹۰ سال سے زیادہ عمر پاکر ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی ـــــ علاوہ ازیں اُس دور کے مدینہ طیبہ کے اکابر علمار سے علمی استفادہ میں بھی یہ دونوں شریک ہیں، مثلاً دونوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے علمی استفادہ کیا ہے۔ اس طرح دونوں استاد بھائی بھی ہیں۔

طرح خود اس کی تردید کی تھی۔ اس سلسلہ کے اُن کے متعدد خطوط اُن کی سوانح کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اُن کی آخری عمر میں، وفات سے دو سال پہلے (۱۲۰۴ھ میں) اُس وقت کے شریف مکہ غالب بن ساعد نے اُس زمانہ کی سعودی حکومت (درعیہ) کے حکمراں عبدالعزیز بن سعود کو لکھا کہ آپ اپنی جماعت کے کسی نمائندہ عالم کو بھیجئے جو آپ لوگوں کی (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کی) دعوت اور مسلک کی وضاحت کر سکے اور یہاں کے علماء سے اس موضوع پر گفتگو کرے، تو شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنے ایک معتمد شاگرد شیخ عبدالعزیز الحصین کو اس مقصد کے لئے بھیجا اور مکہ مکرمہ کے علماء کرام کے نام ایک خط لکھ کر بھی اُن کو دیا، اُس مکتوب کے چند فقرے یہ ہیں ــــــ بسم اللہ اور خطاب تکریم کے بعد لکھتے ہیں:

سلام علیکم ورحمۃ اللہ	آپ حضرات پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں
وبرکاتہ، اما بعد	اور برکتیں! ہمارے بارے میں جو فتنہ اور
فقد جریٰ من الفتنۃ	شورش برپا ہے اس کی اطلاع آپ حضرات
ما بلغکم و بلغ غیرکم	کو اور دوسرے حضرات کو پہنچ چکی ہے اور
وسببہ ھدم	اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنے
بنیان فی ارضنا علی	علاقہ (نجد) میں بزرگوں کی قبروں پر بنے
قبور الصالحین ومع	ہوئے قبوں کو گرایا اور اسی کے ساتھ

هٰذا نهيناهم عن
دعوة الصالحين وامرنا
هم باخلاص الدعاء
لله فلما اظهرنا هذه
المسئلة مع ماذكرنا من
هدم البناء الذي على
القبور كبر على العامة
وعاضدهم بعض من
يدعي العلم لاسباب
لا تخفى على امثالكم...
فاشاعوا عنا انا نسب
الصالحين وانا على غير
جادة العلماء و
رفعوا الامر الى
الشرق والغرب
وذكروا عنا اشياء
يستحي العاقل

ہم نے لوگوں کو سختی سے اس بات سے
منع کیا کہ وہ (اپنی حاجتوں اور ضرورتوں
میں) بزرگوں سے دعا کریں اور ان سے
مانگیں اور ہم نے اُن کو اس کا حکم دیا کہ
وہ صرف اللہ سے ہی دعا کریں اور اسی
کو پکاریں۔ تو جب ہم نے اس مسئلہ کا
اعلان واظہار کیا اور قبے گرانے کا عمل
کیا تو (جاہل) عوام ہماری اسی بات
اور ہمارے اس عمل سے بہت برہم اور
برافروختہ ہوئے اور بعض مدعیانِ علم
نے بھی اُن اسباب ووجوہ سے جو آپ
جیسے حضرات سے مخفی نہیں ہوں گے)
اُن کا ساتھ دیا اور ہمارے بارے میں
پروپیگنڈا کیا کہ ہم بزرگوں کی شان میں
گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں اور ہمارا
مسلک اور طریقہ جمہور علماء امت کے خلاف
ہے (اور ہم نے کوئی نیا مذہب نکالا ہے)

من ذکرها وانا	اور انہوں نے مشرق و مغرب میں اس
اخبرکم بما نحن	بات کو خوب پھیلایا اور ہمارے بارے میں
فیہ ...... فنحن	ایسی ایسی بیہودہ باتیں کہیں جن کے زبان
ولله الحمد متبعون	پر لانے سے بھی ہر ہوش مند کو شرم آئے
لا مبتدعون علی	اور میں آپ حضرات کو بتلاتا ہوں کہ...
مذهب الامام احمد	ہم لوگ الحمدللہ ائمہ سلف کے متبع ہیں
بن حنبل ...... وانا	کوئی نیا طریقہ اور نئی بدعت نکالنے والے
اشهد الله وملائکته	نہیں ہیں ہم امام احمد بن حنبل کے طریقہ پر
واشهدکم انی علی	ہیں... اور میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں
دین الله ورسوله	اور آپ حضرات کو بھی اس بات کا گواہ
وانی متبع لاهل	بناتا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے
العلم۔[1]	دین پر ہوں اور علماء سلف کا متبع ہوں۔

اسی طرح کا شیخ کا ایک دوسرا مکتوب ہے جو ایک معاصر علامہ عراقی عبدالرحمٰن سویدی کے مکتوب کے جواب میں لکھا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہیں:

انی — ولله الحمد متبع	میں — الحمدللہ۔ ائمہ سلف کا متبع ہوں،
ولست بمبتدع عقیدتی	مبتدع (دین میں نئی بات نکالنے والا)

[1] "محمد بن عبدالوہاب" لاحمد عبدالغفور عطار۔ طبع بیروت ص ۱۴۳-۱۷۵

ودینی الذی ادین اللہ بہ ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ الذی علیہ ائمۃ المسلمین مثل الائمۃ الاربعۃ واتباعھم...

نہیں ہوں ـــ میرا عقیدہ اور میرا دین جو میں اللہ کے دین کی حیثیت سے اختیار کئے ہوئے ہوں وہ اہل السنۃ والجماعۃ کا وہی طریقہ اور مسلک ہے جو امت کے ائمہ مثلاً ائمہ اربعہ اور اُن کے متبعین کا مسلک اور طریقہ ہے۔

اسی مکتوب میں آگے لکھا ہے:

ومنہا ما ذکرتم أنّی أکفر جمیع الناس الا من اتبعنی وازعم ان انکحتم غیر صحیحۃ ویا عجبا، کیف یدخل ھٰذا فی عقل عاقل ھل یقول ھٰذا مسلم .... وکذالک قولھم انہ یقول لو اقدر علی ھدم قبۃ

اور ہم پر جو بہتان لگائے گئے ہیں اُن میں سے ایک وہ ہے جس کا آپ نے بھی ذکر کیا ہے کہ میں اپنے متبعین اور پیروکاروں کے سوا اور سب لوگوں کو کافر قرار دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ (کافر ہونے کی وجہ سے) اُن کے نکاح بھی درست نہیں ہیں ـــ یا للعجب! یہ باتیں کسی عقل والے کی عقل میں کیسے آسکتی ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ایسی بات کہہ سکتا ہے... اسی طرح اُن کا یہ ایک عظیم بہتان ہے

النبی صلی اللہ علیہ وسلم لھدمتھا۔	کہ میں کہتا ہوں کہ اگر میرے لئے امکان ہو اور میرا قابو چلے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کو بھی ڈھا دوں۔

آخر میں اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

والحاصل ان ماذکرعنا من الاسباب غیر دعوۃ الناس الی التوحید والنھی عن الشرک فکلہ من البہتان[1]۔	حاصل کلام یہ کہ توحید خالص کی دعوت اور شرک سے لوگوں کو منع کرنے اور روکنے کے علاوہ مخالفت کے جو اسباب ووجوہ ذکر کئے گئے ہیں وہ سب سراسر افترا و بہتان کے قبیل سے ہیں۔

اس طرح کے مضامین شیخ کے اور مکاتیب اور مراسلات میں بھی ہیں جو ان کے سوانح نگاروں نے نقل کئے ہیں۔

دعوت و مسلک کی وضاحت اور بہتانوں کی تردید میں شیخ عبداللہ بن محمد کا مستقل رسالہ

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور مسلک کی وضاحت اور بہتانوں کی تردید میں بہت اہم اور جامع اور واضح رسالہ وہ ہے جو اُن کے بیٹے شیخ عبداللہ نے اس وقت لکھا ہے جب ۱۲۱۸ھ میں اُس وقت کی سعودی حکومت کا پہلی دفعہ مکہ معظمہ پر اقتدار قائم ہوا ہے ——— اس رسالہ میں اُس واقعہ کی پوری روئیداد بھی

---

[1] "محمد بن عبدالوہاب" للعطار ص ۱۴۴-۱۴۵

ہے اور اپنی دعوت و مسلک کی وضاحت بھی۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا بہتانوں کی تردید بھی ـــــ ہم اُس کے چند اقتباسات کا صرف ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

"اصول دین میں (یعنی ایمانیات و اعتقادیات میں) ہمارا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔ اور ہمارا طریقہ ائمہ سلف کا طریقہ ہے۔۔۔۔ اور فروع میں (یعنی فقہی مسائل میں) ہم امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں اور جو کوئی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرے ہم اُس پر نکیر نہیں کرتے۔۔۔۔ اور ہم اپنے کو اجتہادِ مطلق کا مستحق نہیں سمجھتے اور نہ ہم میں سے کسی کو اُس کا دعویٰ ہے۔ لیکن ہاں اگر کسی مسئلہ میں ہمیں حنبلی مذہب کے (کسی مسئلہ کے) خلاف صاف صریح غیر منسوخ نص کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کا مل جائے اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل ہو تو ہم اسی کو اختیار کر لیتے ہیں ـــــ اور ایسا علماء متقدمین میں بھی ہوتا رہا ہے۔"

ص ۳۸-۳۹

اور لوگوں کو حق سے دور رکھنے اور ہمارے بارے میں گمراہ کرنے کے لئے جو جھوٹے بہتان ہم پر لگائے جاتے ہیں۔۔۔۔ مثلاً یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کرتے ہیں اور یہ کہتے

ہیں کہ وہ اپنی قبریں بوسیدہ ہڈیاں (گویا مٹی) ہو چکے ہیں اور یہ کہ
اب اُن سے ہمارے ہاتھ کی لاٹھی زیادہ نافع اور کارآمد ہے، اور
یہ کہ ہمیں اُن کی شفاعت سے انکار ہے، اور اُن کی زیارت ہمارے
نزدیک غیر مستحسن ہے، اور ہم اگلے علماء کی کتابوں کو قابل اعتبار
نہیں سمجھتے اور اُن کو تلف کرتے ہیں، اور یہ کہ ہم مجسمہ ہیں (یعنی اللہ
تعالیٰ کو ایک جسمانی ہستی مانتے ہیں) اور یہ کہ ہم اپنے ہم مسلک لوگوں
کے علاوہ سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس بنا پر ہر
بیعت کرنے والے سے اقرار کراتے ہیں کہ وہ اب تک مشرک تھا
اور اس کے ماں باپ بھی مشرک تھے اور وہ شرک ہی کی حالت میں
مرے، اور یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف
پڑھنے سے منع کرتے ہیں.... وغیرہ وغیرہ.... تو ان سب
بہتانوں کے بارے میں (قرآن پاک کے الفاظ میں) ہمارا جواب یہ
ہے کہ "سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ" ص۴۰-۴۱

چند سطر کے بعد آگے لکھتے ہیں:-

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ
اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے، اور آپ اپنی
قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات "برزخی حیات" ہے اور

یہ شہداء کرام کی حیات سے زیادہ بلند درجہ کی ہے کیونکہ بلاشک و شبہ آپ شہداء سے افضل ہیں۔ اور آپ سلام عرض کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور آپ کی زیارت مسنون ہے لیکن شدِّ رحال[1] کی ممانعت کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ) مسجد نبوی کی حاضری اور اُس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے اور اگر اُس کے ساتھ زیارت کا مقصد بھی شامل کر لے تو کوئی حرج نہیں، اور جو کوئی اپنا قیمتی وقت آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے تو اس کو دنیا و آخرت کے لئے سعادت و خوش بختی حاصل ہوگی اور اس کے سارے فکر و غم اور پریشانیوں کے لئے وہی کافی ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ صـ ۲۱

اور ہم اولیاء اللہ کی کرامات کے منکر نہیں ہیں اور ان کا جو خاص مرتبہ اور مقام ہے اس کے ہم معترف ہیں، اسی کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کسی قسم کی عبادت کے مستحق نہیں ہیں نہ زندگی میں نہ بعد الموت، ہاں زندگی میں اُن سے (بلکہ ہر مسلمان سے) دعا کی درخواست کی جا سکتی ہے۔ صـ ۲۱

---

[1] شدِّ رحال یعنی سفر کے لئے سامان تیار کرنا۔ اس کی تفصیل آگے صـ ۶۸ پر آئے گی۔ (معراج محمد)

چند سطر کے بعد آگے لکھتے ہیں:

اور ہم اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء اللہ اور معصوم بچوں کی بھی شفاعت ہوگی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے ـــــ اور ہم اس شفاعت کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور الحاح و تضرع کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ "اے اللہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں نصیب فرما اور ہمارے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما، اسی طرح ہم اللہ کے نیک بندوں اور فرشتوں کی شفاعت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں

پس یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ کے رسول یا اے اللہ کے ولی آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا یہ آپ میری مدد اور دستگیری فرمائیں، مجھے بیماری سے شفا عطا فرمائیں، (وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ سب شرک کے اقسام میں سے ہے۔ ص ۴۲

مصنف نے اسی مسئلہ سے متعلق (یعنی رسول اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال "ایک قسم کا شرک[1]" ہونے سے متعلق) خود ہی سوال اٹھایا ہے ـــــ کہ کوئی

[1] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے سوال" کے بارے میں ہمارا اور ہمارے اکابر کا مسلک ناظرین انشاء اللہ اسی مقالہ میں عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔ (دیکھئے ص)

کہہ سکتا ہے کہ تمہارے اس اصول پر تو اُمت کی غالب اکثریت مشرک و کافر ٹھہرے گی، خصوصاً وہ تمام علماء متاخرین اس کی زد میں آئیں گے جنہوں نے زیارت نبوی کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرنے کو مندوب و مستحسن کہا اور لکھا ہے۔

اس کے جواب میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ان حضرات سے علمی اور اجتہادی غلطی ہوئی ہے، اُن پر مسئلہ واضح نہیں ہو سکا اس لئے وہ معذور ہیں (تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ) ہم شرک و کفر کا حکم اُس صورت میں لگائیں گے جب کتاب و سنت کے نصوص سے مسئلہ کسی شخص پر پوری طرح واضح ہو جائے اور وہ از راہِ عناد و استکبار پھر بھی اُس کو قبول نہ کرے اور اپنے مشرکانہ طریقہ پر مصر رہے۔

اس کے آگے مصنف پھر خود سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم اُن علماء کے بارے میں کیا کہتے ہو جنہوں نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور سوالِ شفاعت کے جواز بلکہ استحسان و استحباب پر دلائل قائم کئے ہیں، اور وہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ متقدمین کی اُن تصریحات سے بھی واقف و باخبر تھے (جن کا آپ لوگ حوالہ دیتے ہیں) اس کے باوجود اپنے مسلک پر قائم رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے؟

مصنف نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ

ہم اُن کو بھی معذور سمجھتے ہیں، اُن سے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی اور وہ اسی حالت میں رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے" ___ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت مانتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقدام شرعاً غلط اور معصیت تھا، لیکن چونکہ اس کی بنیاد اجتہادی غلطی پر تھی اس لئے ہم اُن کو معذور سمجھتے ہیں، بلکہ اُن کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں، حالانکہ اپنی اس غلطی سے انہوں نے کبھی رجوع نہیں کیا، اس پر قائم رہے اور دنیا سے اسی حالت میں چلے گئے اور یہ اہل السنۃ کا مشہور متفقہ مسلک ہے۔

(ص ۴۴ و ۴۵)

اسی سلسلہ میں مصنف آگے لکھتے ہیں:

"اور ہم کسی ایسی شخصیت کی تکفیر نہیں کرتے جس کے تدین اور صلاح و تقویٰ اور زہد و حسنِ سیرت کی شہرت ہو اور جس نے تعلیم و تدریس یا تصنیف و تالیف وغیرہ کے ذریعہ دین و علمِ دین اور امت مسلمہ کی خدمت کے لئے جان کھپائی ہو اگرچہ اِس سوالِ شفاعت کے مسئلہ میں یا اس طرح کے کسی اور مسئلہ میں اس سے خطا اور غلطی ہوئی ہو جیسے ابن حجر ہیثمی مکی (شافعی)، انہوں نے اپنی کتاب "الدرالمنظم" میں (ان مسائل میں ہمارے مسلک کے خلاف) جو کچھ لکھا ہے اُس سے واقف ہونے کے باوجود ہم ان کی وسعت علم کے معترف ہیں،

ان کی کتابیں "شرح اربعین" اور "الزواجر" وغیرہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، مطالعہ کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں وہ ہمارے نزدیک (قابل اعتماد و اکرام) علماء امت میں سے ہیں" ص ۴۶

اسی رسالہ کے آخری حصہ میں اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور ہمارے نزدیک شیخ الاسلام ابن القیم اور ان کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اہل حق اہل السنۃ کے امام و پیشوا ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں۔ لیکن ہر مسئلہ میں ہم ان کے بھی مقلد اور پیرو نہیں ہیں ..... اور متعدد مسائل میں اُن سے ہمارا اختلاف معلوم و معروف ہے، منجملہ اُن کے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے، اُس میں ہم (ان دونوں بزرگوں کی تحقیق کے خلاف) ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کا اتباع کرتے ہیں ..... اور بھی ایسے متعدد مسائل ہیں ....." ص ۴۹

اور رسالہ کی آخری سطروں میں فرماتے ہیں اور اسی پر رسالہ ختم ہے:

اور ہم طریقہ صوفیہ اور تزکیہ باطن (کی کوشش) کے بھی منکر نہیں ہیں بشرطیکہ اس راہ کا سالک شریعت و سنت کا پابند و پیرو ہو لیکن ہم اُن لوگوں (صوفیہ) کے اقوال و افعال میں زبردستی کی

تاویلیں نہیں کرتے ـــــ اور ہم اپنے تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اسی سے مدد چاہتے ہیں (اس کے سوا کسی کو مددگار و کارساز نہیں سمجھتے) وھو حسبنا ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

(ص۴۵ الھدیۃ السنیہ)

حضرت گنگوہی کی رائے کی اصابت

گذشتہ صفحات میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بعض مکاتیب کے جو اقتباسات اور ان کے فاضل فرزند شیخ عبداللہ بن محمد کے رسالہ سے اُن کی دعوت اور مسلک کی جو وضاحت پیش کی گئی ہے (جو انہوں نے اب سے قریباً پونے دو سو سال پہلے ۱۲۱۸ھ میں مکہ مکرمہ کے مذاہب اربعہ کے علماء کرام اور عوام مسلمین کے سامنے کی تھی) اُس سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی اس رائے کا ثبوت بھی مل جاتا ہے جو انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں اپنے فتوے میں ظاہر کی ہے (کہ اُن کے عقائد عمدہ تھے اور ان

---

[1] شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب کے جس رسالہ سے یہ اقتباسات یہاں نقل کئے گئے ہیں وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و مسلک سے متعلق چند رسائل کے اُس مجموعہ میں شامل ہے جو "الھدیۃ السنیہ" کے نام سے شائع ہوا ہے، میرے سامنے اس کا وہ اڈیشن ہے جو ۱۳۴۴ھ میں مشہور مصری عالم علامہ رشید رضا اڈیٹر "المنار" کے حواشی کے ساتھ "مطبعۃ المنار" مصر سے شائع ہوا تھا اسی کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

کا مذہب حنبلی تھا) اور یہ بات بھی پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ ان کا مسلک اور طرز فکر وہی ہے جو اہل السنۃ کے اُس طبقہ کا ہے جس کی نمائندگی شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرّانی اور ان کے شاگرد شیخ ابن القیم دمشقی وغیرہ کرتے ہیں۔ اور ہمارے شیخ المشائخ شاہ ولی اللہؒ ان حضرات کی علمی ودینی عظمت اور جلالتِ قدر کے معترف اور طرز فکر میں اُن سے بہت قریب ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی دعوت وتحریک کی ہم رنگی

اسی طرح منقولہ بالا اقتباسات اور ان حضرات کی دوسری تصانیف "کتاب التوحید" وغیرہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اخلاصِ توحید کی دعوت اور اس کے تقاضوں پر شدید اصرار اور قبر پرستی، پیر پرستی، ارواح پرستی، غیر اللہ کی نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ شرک کی اُن سب شکلوں اور قسموں کے خلاف (جو شیطان کی کوششوں سے مسلمانوں کے گمراہ طبقوں میں رواج پاگئی ہیں) ہر ممکن طریقہ سے جہاد کے بارے میں اُن کا نقطۂ نظر اور رویہ وہی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سخت اور تیز ہے جو ہماری جماعت کے ایک امام اور مقتدا شہید فی سبیل اللہ شاہ محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کا اُن کی مشہور تصنیف "تقویۃ الایمان" میں نظر آتا ہے۔

مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خاں بریلوی کی غلط بیانی

دونوں کی دعوت وتحریک کی اس ہم رنگی ہی کی وجہ سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے معاند مخالفین نے جو دراصل ان کی دعوت توحید وسنت کے دشمن ہیں یہ افسانہ تراشا اور اس کا

پروپیگنڈہ کیا کہ "تقویۃ الایمان" شیخ محمد بن عبدالوہاب کی "کتاب التوحید" کا ترجمہ ہے اور بعض نے کہا کہ وہ اس کی شرح ہے، چنانچہ مولوی فضل رسول بدایونی نے "سیف الجبار" میں لکھا کہ :

"مولوی محمد اسمٰعیل کو مراد آباد میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی "کتاب التوحید" مل گئی تھی وہ ان کو پسند آئی اور انہوں نے "تقویۃ الایمان" تصنیف کی اور وہ گویا اسی "کتاب التوحید" کی شرح ہے۔"

(سیف الجبار از مولوی فضل رسول بدایونی ص ۹۵ طبع ۱۲۷۸ھ)

جیسا کہ اوپر لکھا گیا یہ تو واقعہ ہے کہ "کتاب التوحید" اور "تقویۃ الایمان" دونوں کا موضوع اخلاصِ توحید للہ اور ردِ شرک ہے لیکن تقویۃ الایمان کو کتاب التوحید کی "شرح" لکھنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان بدایونی بزرگوار نے کتاب التوحید کا صرف نام سنا تھا، اس کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ موضوع اور مدعا کی یگانگت کے باوجود دونوں کتابوں کی نوعیت میں بہت بڑا فرق ہے ــــــ تقویۃ الایمان چونکہ ہندوستان کے شرک زدہ عوام کی اصلاح کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے اس کے مضامین نہایت آسان اور سادہ ہیں، اس میں توحید اور شرک سے متعلق بس قرآن پاک کی چند آیات اور مشکوٰۃ شریف کی چند احادیث کا سادہ زبان میں ترجمہ کر کے اسی طرح آسان زبان میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ علمی مضامین اور عالمانہ

نکات و استنباطات تفاسیر و شروحِ حدیث کے حوالے اُس میں بالکل نہیں ہیں ـــــ برخلاف کتاب التوحید کے جس کے خاص مخاطب نجد و حجاز اور شام و عراق وغیرہ ممالک عربیہ کے وہ اہل علم تھے جن کا ذہن توحید و شرک کے بارے میں صاف نہیں تھا اور وہ بعض مشرکانہ یا نیم مشرکانہ اعمال و رسوم کی علمی حمایت کرتے تھے (جن کا نمونہ ہمارے یہاں کے حامیان شرک و بدعت مولوی صاحبان ہیں) اس لئے "کتاب التوحید" ایک علمی تصنیف ہے۔ آیات کی تفسیر اور احادیث کی تشریح میں جو کلام کیا گیا ہے وہ عالمانہ ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ مصنف نے اس کی تصنیف میں تفسیر و حدیث اور سیر و تاریخ اور ائمہ متقدمین کی کتابوں کے وسیع ذخیرہ سے استفادہ کیا ہے ـــــ الغرض دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی صاحب علم و نظر کو اس میں شک و شبہ نہیں رہ سکتا کہ جس شخص نے یہ لکھا ہے کہ "تقویۃ الایمان" "کتاب التوحید" کی شرح ہے اس نے بڑی دیدہ دلیری سے غلط بیانی کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویۃ الایمان کی زبان میں کتاب التوحید کی شرح لکھی جائے تو تقویۃ الایمان کی ضخامت کی کم از کم دس جلدیں تیار ہوں گی ـــــ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے "الکوکبۃ الشہابیہ" میں تقویۃ الایمان کو کتاب التوحید کا "ترجمہ" لکھا ہے (ص ۴۹) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان بریلوی بزرگوار نے بھی "کتاب التوحید" نہیں دیکھی تھی، صرف اس کا نام سنا تھا ـــــ "تقویۃ الایمان" کو "کتاب التوحید" کا "ترجمہ" کہنا بھی اتنا ہی غلط اور

ایسا ہی خلاف واقعہ ہے جیسا کہ اس کو "تقویۃ الایمان" کی شرح کہنا ـــــ "انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بآیات اللہ واولٰئک ھو الکذبون"

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ واقعہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی اخلاصِ توحید اور اتباعِ سنت کی دعوت اور شرک و بدعت کے خلاف جدوجہد میں بنیادی طور پر بڑی مماثلت اور ہم رنگی ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اکابر جماعت دیوبند کے طرز فکر میں بعض جزوی اختلافات

مگر اصولی درجہ میں اس توافق اور طرز فکر میں اس یکسانیت اور یگانگت کے باوجود بعض نظریات و مسائل میں ہمارے اکابر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور علماء دیوبند وغیرہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے نقطۂ نظر اور رویہ میں کچھ فرق و اختلاف بھی ہے ـــــ مثلاً وہ حضرات زیارت نبوی کو مستحب و مسنون بلکہ "افضلِ اعمال"[۱] ماننے کے باوجود مشہور حدیث "لا تشد الرحال[۲] ....الخ" کی بنیاد پر خاص زیارت کے لئے مدینہ منورہ کی طرف سفر کرنا جائز نہیں سمجھتے جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وابن القیم وغیرہ کا مشہور مسلک ہے، ان کے نزدیک سفر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے

---

[۱] کتاب التوحید میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے الفاظ یہ ہیں "ان زیارتہ من افضل الاعمال" (مجموعۃ التوحید ص۲۶۸)

[۲] پوری حدیث یوں آئی ہے: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ المسجد الحرام ومسجد الرسول صلے اللہ علیہ وسلم ومسجد الاقصیٰ (تین مسجدوں کے سوا کسی کے لئے بھی بغرض ثواب سفر نہ کیا جائے، مسجد حرام، مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

کی نیت سے کرنا چاہیئے۔ پھر وہاں پہنچ کر زیارت کی سعادت اور اس کا ثواب بھی حاصل کرے۔ یا مسجد شریف میں ادائے نماز کی نیت کے ساتھ ضمنی طور پر زیارت کی بھی نیت کرے (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب کے رسالہ کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے) ـــــ لیکن ہمارے اکابر کے نزدیک زیارت نبوی کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا بھی از قبیل حسنات و قربات اور باعث اجر و ثواب ہے، اس لئے وہ یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ مدینہ منورہ جانے والے حضرات، زیارت نبوی اور مسجد شریف میں ادائے نماز دونوں کی مستقل نیت کریں ـــــ حدیث "لا تشد الرحال ۔۔۔۔ الخ" کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق صرف مساجد کے لئے سفر کرنے سے ہے۔ (تفصیل شروح حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے)

اسی طرح دعا میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور توسل بالصالحین کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین بالکل جائز نہیں سمجھتے اور ہمارے اکابر کے نزدیک وہ ناجائز نہیں ہے[1]۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت "توسل باعمالہم الصالحہ" ہی کی ایک صورت ہے (اور توسل بالاعمال الصالحہ بالاتفاق جائز اور

---

[1] حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ فصل خامس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ یعنی اے شیخ عبدالقادر دو تم اللہ کے واسطے" یہ لفظ نہ کہا چاہئے۔ ہاں! اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے تو بجا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۶۵)

ثابت ہے) ـــــــ ہاں! اگر کوئی جاہل اور گمراہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ کے کسی اور مقبول وفات یافتہ بندے کے وسیلہ سے دعا کرے اور یہ سمجھے کہ اس وسیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر معاذ اللہ کوئی بوجھ اور دباؤ پڑے گا اور وہ قبول ہی کرلیں گے یا یہ سمجھ کر وسیلہ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس وسیلہ کے بغیر دعا قابلِ سماعت نہ ہوگی تو بیشک یہ عقیدہ سخت گمراہانہ اور یہ فعل حرام ہوگا۔

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کے ساتھ آپ سے شفاعت کے سوال کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین ناجائز بلکہ "ایک طرح کا شرک" کہتے ہیں جیسا کہ شیخ عبداللہ بن محمد کے حوالہ سے نقل کیا جاچکا ہے۔ (اس بارے میں اُن کا ایک خاص نقطہ نظر ہے جو ان حضرات کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے) لیکن ہمارے اکابر اس اصولی عقیدہ اور یقین میں اُن سے متفق ہونے کے باوجود کہ "قیامت اور آخرت میں کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے اذن واجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کرسکے گا اور صرف اُسی بندے کے حق میں شفاعت ہوسکے گی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت ہوگی" ـــــــ زائر کے لئے روضۂ مبارک پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے کے ساتھ آپ سے شفاعت اور استغفار کی استدعا کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اور اس طرح

کی شفاعت کی ہرگز یہ بنیاد نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کے معاملہ میں "خود مختار" سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنا بلاشبہ سخت گمراہی ہے۔ کسی مخلوق کو بھی بارگاہِ خداوندی میں بطورِ خود شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہے اور نہ ہوگا ("قل للہ الشفاعۃ جمیعا ــــــ من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ"[1])۔

اسی طرح کا ایک اختلاف ان حضرات کے اور ہمارے اکابر کے رویہ میں یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اشعار وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے استعانت اور استغاثہ کے انداز میں ندا اور خطاب کرتے ہیں ان کے بارے میں ہمارے اکابر کا موقف یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر اور عالم الغیب و متصرف سمجھ کر ایسا خطاب اور استمداد و استغاثہ کیا جائے تو بلاشک وشبہ قطعاً شرک ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا عقیدہ صحیح ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے نہ عالم الغیب اور متصرف سمجھتا ہے بلکہ ایسا سمجھنے کو شرک جانتا ہے لیکن شوقیہ طور پر حاضر فی الذہن سے خطاب کر رہا ہے (جیسا کہ اشعار میں بکثرت ہوتا ہے) یا اس امید پر خطاب کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ پیام آپؐ تک پہنچا دے گا اور آپ انشاء اللہ دعا فرمائیں گے تو یہ ہرگز شرک نہیں ہے۔ اور اسی بنا پر صاحبِ قصیدۂ بردہ بُوصیری اور مولانا جامی وغیرہ کے اس طرح کے اشعار کو اسی پر محمول کرتے ہیں اور یہ ہرگز "زبردستی

---

[1] شفاعت کے بارے میں ہمارے اکابر کا عقیدہ اور نقطہ نظر جاننے کے لئے تقویۃ الایمان کی فصل ثالث میں شفاعت کا بیان دیکھا جائے۔

کی تاویل" نہیں ہے۔ شاعری میں اور محبت میں غائبین سے اس طرح کا خطاب شائع ذائع ہے۔ ہاں! اسی کے ساتھ ہمارے اکابر یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ عوام کے عقیدہ کی حفاظت کے لئے اس طرح کی تعبیرات سے بچنا چاہیئے کیونکہ یہ ایہام شرک سے خالی نہیں ہے ـــــ ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں اس مسئلہ کے بارے میں یہی وضاحت و تفصیل کی گئی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص۸۲) لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین اس مسئلہ میں یہ تفصیل نہیں کرتے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی وفات یافتہ بزرگ سے اس طرح کے خطاب کو بہر حال "شرک" قرار دیتے ہیں ـــــ (حالانکہ عقیدہ کی بنیاد پر حکم میں فرق ہونا ہمارے نزدیک بدیہی بات ہے)

ان مسائل میں ان حضرات کا جو موقف اور رویہ ہے غالباً اسی کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے فتوے میں "مزاج کی شدت" سے تعبیر کیا ہے۔

تارکین صلوٰۃ (مسلمان کہلانے کے باوجود نماز نہ پڑھنے والوں) کی تکفیر و عدم تکفیر کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن میں ان حضرت کا اور ہمارے اکابر کا موقف مختلف ہے وہ حضرات تارکِ صلوٰۃ کو قطعی کافر قرار دیتے ہیں اور ہمارے اکابر انتہائی درجہ کا گنہگار اور انتہائی درجہ کی سزا کا مستحق قرار دینے کے باوجود اس کو کافر اور خارج از ملت قرار نہیں دیتے ـــــ اس مسئلہ کا ذکر پہلے بھی کیا جاچکا ہے اور یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ

اور بعض دوسرے ائمہ سلف بھی تارک صلوٰۃ کو کافر مرتد قرار دیتے ہیں۔

بہرحال ان تمام مسائل میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی بھی فریق کو اسلام یا دائرہ اہل سنت سے خارج قرار دیا جاسکے۔

ان مسائل کا ذکر اس موقع پر صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ دونوں جماعتوں کے مسلکی اختلاف کی نوعیت اور اُس کا درجہ سامنے آجائے اور کم از کم اہل علم اور ارباب دانش کو معلوم ہو جائے کہ ان میں کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر کوئی فریق خدا ترسی کے ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں دوسرے فریق کی تکفیر، تفسیق یا تضلیل کر سکے ـــــ رہا دلائل اور علمی بحث مباحثہ کا معاملہ تو ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، اُن کے تلامذہ ـــــ اور ان کے بالمقابل اُن کے معاصر، امت کے جلیل القدر عالم شیخ تقی الدین سبکی شافعی اور ان کے حلقہ کے اہل علم سے لے کر ہماری اس چودھویں صدی کے آغاز میں شیخ احمد زینی دحلان مکی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، نواب صدیق حسن خاں اور مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے سلسلہ کے درجنوں علماء و مصنفین اور پھر ہمارے پاس دور تک کے دونوں مسلکوں کے عرب و عجم کے اہل علم و اصحابِ قلم نے قریباً سات سو سال کی طویل مدت میں ان مسائل پر جو بے گنتی کتابیں لکھی ہیں، اگر اُن کا صرف ایک ایک نسخہ لیا جائے تو اچھا خاصا کتب خانہ بن جائے گا ـــــ راقم سطور کے نزدیک اس کے بعد بالکل ضرورت

نہیں ہے کہ اِن مسائل کو علمی بحث مباحثہ کا موضوع بنایا جائے ـــــــ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے یہ سب اس قسم کے مسائل ہیں جن میں اہل سنت کے مختلف طبقات میں مسلک و موقف کا اختلاف رہا ہے اور رہے گا ـــــ اور یقین ہے کہ اس اختلاف رائے کی وجہ سے دونوں میں سے کوئی فریق بھی جہنم میں نہیں ڈالا جائیگا۔

طرز فکر کے فرق اور بعض مسائل میں اختلاف رائے کا یہ ذکر تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگیا اب ہم اور ناظرین پھر اصل موضوع پر آجائیں۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کی جماعت اور اکابر دیوبند دونوں توحید و سنت کی دعوت اور شرک و بدعت کے خلاف جہاد کے علمبردار ہیں

واقعہ یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کے سلسلہ کے اکابر علما کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بغیر کسی شک وشبہ کے سامنے آجاتی ہے کہ ان کی اصل دعوت اخلاصِ توحید و اتباع سنت کی اور ہر قسم کے شرک و بدعت کے خلاف حسبِ استطاعت جہاد اور اسلام کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کی تھی، اور بنیادی طور پر ان کا پیغام وہی تھا جو "تقویۃ الایمان" کے ذریعہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے ہندوستان کے بگڑے ہوئے مسلمانوں کو دیا تھا ـــــ بعد میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی اسی دعوت اور پیغام کے علمبردار جماعت دیوبند کے اکابر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے خلفاء و تلامذہ بھی رہے۔ اور اسی جرم میں بدایوں، بریلی وغیرہ کے شرک و بدعت کے حامی مولویوں، مفتیوں نے ان کو **وہابی** قرار دے کر ہر جگہ کے جاہل عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا کیونکہ

وہابیوں (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت) کے خلاف اس زمانہ کی کئی ایک حکومتوں نے (جو اُن کی جماعت کے جذبۂ جہاد اور ان کی بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتی تھیں) اور ان کے ساتھ مل کر قبر پرستی وغیرہ مشرکانہ اعمال اور بدعات کے حامی علماء سوء نے اپنے پورے وسائل سے کام لے کر امکانی حد تک پوری اسلامی دنیا میں ایسا پروپیگنڈہ کیا تھا کہ قریباً ہر جگہ کے مسلمان، صرف عوام ہی نہیں بلکہ وہ علماء اور خواص بھی جو حقیقت حال سے واقف نہیں تھے ان نجدی وہابیوں کو یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود سے بھی بدتر سمجھتے تھے ——— اس لئے عام طور سے صحیح العقیدہ مسلمان بھی ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے اور ان سے بے تعلقی اور برأت ظاہر کرنا بلکہ نفرت و عداوت کا اظہار کرنا ایمان و اسلام اور اللہ و رسول کی محبت کا تقاضا سمجھتے تھے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے خلاف پروپیگنڈہ کا مرحوم نواب صدیق حسن خاں صاحب پر اثر

اس صورت حال کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی (جو ہندوستان میں مسلکِ اہل حدیث کے اولین اور پُرجوش داعیوں میں تھے اور بلاشبہ جن کا حصہ ہندوستان میں اس مسلک کی اشاعت اور فروغ میں دوسرے سب لوگوں سے زیادہ ہے)۔ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کی دعوت و مسلک سے اپنی اور جماعتِ اہل حدیث کی برأت ظاہر کرنا اور

ان کو مطعون و مجروح کرنا اور "فسادی" تک قرار دینا ضروری سمجھا۔ ان کی کتاب "ترجمان وہابیہ" کا یہی مقصد اور موضوع ہے ـــــ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

فصل سوم میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جماعت اہلحدیث کا شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تحریر فرماتے ہیں:

"پیشوا وہابیوں کا ابن عبدالوہاب مقلدِ مذہب حنبلی تھا، اور تابعانِ حدیث (اہل حدیث) کسی مذہب کے مذاہبِ مقلدین میں سے مقلد نہیں ہیں وہابیہ اور اہل حدیث میں فرق زمین و آسمان کا ہے۔۔۔۔ اہل حدیث تیرہ سو برس (۱۳۰۰) سے چلے آتے ہیں ان میں سے کسی نے کسی ملک میں جھنڈا اس جہاد اصطلاحی حال کا کھڑا نہیں کیا۔۔۔۔ فتنہ و فساد و غدر اور قتل و خونریزی سے ہزاروں کوس بھاگتے تھے۔۔۔۔ اُن کی نسبت کسی کتاب میں کسی جگہ حال فساد و غدر کا نہیں لکھا۔ بخلاف ابن عبدالوہاب کے کہ حال اس کے فساد کا تاریخ مصر و دیگر کتب مؤلفہ علماء عیسائی مطبوعہ بیروت وغیرہ میں مفصل تحریر ہے اور ان کتابوں سے ہم نے انتخاب کر کے اپنی کتابوں میں لکھا ہے تاکہ لوگ اس پر واقف ہو کر طریقہ جنگ وجدال و فساد سے باز رہیں۔ (ترجمان وہابیہ صـ۳۰)

اور اسی کتاب کی پانچویں فصل میں نواب صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "التاج المکلل" کے حوالہ سے وہابی تحریک کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ۱۲۰۴ھ

میں سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود کے مدینہ منورہ میں داخلہ اور قبضہ کا حال جس طرح لکھا ہے وہ بلاشبہ انتہائی اشتعال انگیز ہے (یہ سعود بن عبدالعزیز خود شیخ محمد بن عبدالوہاب کے فیض یافتہ بلکہ ساختہ پر داختہ تھے) نواب صاحب مرحوم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پھر وہ مدینہ منورہ گیا اور وہاں کے لوگوں پر جزیہ باندھا اور مزار مقدس نبوی کو برہنہ کر دیا اور اس کے خزائن و دفائن سب لوٹ کر درعیہ کو لے گیا۔۔۔۔۔ اور ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مزارات کے ساتھ پیش آیا۔۔۔۔ اور سعود نے قبہ مزار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانے کا قصد کیا مگر اس کا مرتکب نہ ہوا اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے۔" (ترجمان وہابیہ ص۵۳)

مرحوم نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ان عبارتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے خلاف ان کے سیاسی اور مذہبی دشمنوں کے پروپیگنڈے نے نواب صاحب جیسے ذی علم اور دعوت توحید و سنت کے علمبردار شخص کو بھی کتنا متاثر کر دیا کہ انہوں نے ان کے خلاف عیسائی مصنفین کے ان بیانات کو قابل اعتماد سمجھ کر اُن کی لکھی ہوئی ساری خرافات کو ان حضرات کی طرف منسوب کر دیا۔

پروپیگنڈہ کی مہم میں انگریزوں کا حصہ

یہاں اس واقعہ کا ذکر کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس پروپیگنڈہ میں انگریزوں کا بھی اچھا خاصا حصہ تھا اور انہوں نے ہندوستان میں اس سے خوب فائدہ اٹھایا، جن علماء اور جن دینی حلقوں کو انہوں نے اپنا مخالف اور اپنے لئے خطرہ کا باعث سمجھا اُن کو وہابی مشہور کرایا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جماعت سے تعلق رکھنے والے علماء صادق پور اور ان کے رفقا کے خلاف اب سے قریباً ایک سو دس سال پہلے انگریزی حکومت کی طرف سے بغاوت کا جو مقدمہ چلایا گیا تھا اس کی شہرت "وہابیوں کے مقدمہ" ہی کے نام سے تھی۔ انگریز مصنفین اس مقدمہ کا ذکر اسی عنوان سے کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند کو بھی انگریز دشمنی کی وجہ سے "وہابی" مشہور کرایا گیا۔

یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر یہاں ذکر میں آگئی ——— عرض یہ کیا جارہا تھا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے خلاف ان کے سیاسی و مذہبی دشمنوں نے جو عالمگیر شیطانی پروپیگنڈہ کیا تھا اُس سے ہندوستان کے وہ علمی و دینی حلقے بھی متاثر ہوئے جو شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اُن کی "تقویۃ الایمان" کی دعوتِ توحید و اتباعِ سنت کے حامل و علمبردار تھے جس کا مقصد و نصب العین وہی تھا جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا تھا ——— حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اب سے ۷۰-۷۵ سال پہلے بعض اہل مدینہ کے سوال کے جواب میں شیخ محمد بن

عبدالوہاب کے بارے میں جو لکھا تھا (جو التصدیقات میں شائع ہوا تھا) اور اسی طرح اُسی زمانہ میں اسی سلسلہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے "الشہاب الثاقب" میں جو لکھا تھا ـــــ جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، وہ سب اسی پروپیگنڈے کا نتیجہ تھا ـــــ بعد میں جب حضرت مولانا سہارنپوریؒ نے اب سے ۵۵ سال پہلے ۱۳۴۴ھ میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام فرمالیا اور وہاں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے علماء اور عوام کو قریب سے دیکھا اور ان کے حالات و خیالات کا براہ راست علم ہوا تو حضرت مولانا ممدوح نے وہ تاثر ظاہر فرمایا جو ناظرین کو حضرت مولانا کے ان دو مکتوبوں سے معلوم ہو چکا ہے جو چند صفحے پہلے درج کئے جاچکے ہیں۔

حضرت مولانا مدنیؒ کا رجوع و اعتراف

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں مجھے کچھ خیال تھا کہ میری طالب علمی کے زمانہ میں اب سے ۵۴-۵۵ سال پہلے اُن کا ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ ـــــ "میں نے نجدیوں کے بارے میں "الشہاب الثاقب" میں جو کچھ لکھا تھا وہ عام شہرت کی بنیاد پر لکھا تھا، اُن کی کتابیں میں نے نہیں دیکھی تھیں، ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ باتیں صحیح نہیں تھیں" ـــــ لیکن میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا، اس مضمون کے لکھتے وقت میری بڑی خواہش تھی کہ مجھے کہیں سے اس کا پتہ چل جائے لیکن کوئی امید نہیں تھی کہ ۵۰-۵۵ سال پہلے کا اخبار کا وہ پرچہ

کہیں مل سکے گا ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ غیر مترقبہ غیبی مدد ہوئی کہ حضرت مولانا مدنیؒ کے شاگرد اور مسترشد، ہماری جماعت کے مشہور درویش عالم مولانا شاہ صبغۃ اللہ بختیاری نے مدراس سے مجھے اطلاع دی کہ ہمارے شیخ حضرت مولانا مدنیؒ نے "الشہاب الثاقب" میں نجدی جماعت کے بارے میں جو لکھا تھا اُس سے حضرت مولانا نے ۱۹۲۵ء میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ رجوع فرما لیا تھا، وہ بیان اخبار "زمیندار لاہور" کے حوالہ سے مولوی حافظ عزیز الدین مراد آبادی کی تصنیف "اکمل البیان" میں بھی شائع ہوا تھا۔ مولانا بختیاری کی اس اطلاع کے بعد میں نے "اکمل البیان" کی تلاش شروع کی۔ الحمدللہ وہ دستیاب بھی ہوگئی اور اس میں حضرت مولانا مدنیؒ کا ۱۹۲۵ء والا وہ اخباری بیان بھی مل گیا جو عنقریب ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔

۱۹۲۵ء کے اخباری بیان اور الشہاب الثاقب کی تصنیف کا پس منظر

مناسب ہوگا کہ ناظرین کرام بیان کا متن پڑھنے سے پہلے اس کے پس منظر، اور اُس سے بھی پہلے مولانا مدنیؒ کے اُس رسالہ "الشہاب الثاقب" کی تصنیف کے پس منظر سے واقف ہوجائیں جس میں مولانا ممدوح نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں بہت سخت رائے ظاہر کی تھی۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں حرمین شریفین کی فضا

یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ حضرت مولانا مدنیؒ کا قیام ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک (تقریباً ۱۸ سال)

مدینہ منورہ میں رہا ـــــــ اس کے قریباً ڈیڑھ صدی پہلے سے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت وجماعت کے خلاف ان کے سیاسی اور مذہبی مخالفین نے جو پروپیگنڈہ ممکن حد تک پورے عالمِ اسلام میں اور خاص کر ممالک عربیہ اور بالخصوص حرمین شریفین میں کیا تھا (جس کا ذکر پہلے بھی کیا جاچکا ہے) اس کا یہ نتیجہ تھا کہ وہاں کے عوام بلکہ خواص بھی (الا ماشاء اللہ) "وہابیوں" کو یہود و نصاریٰ اور ہنود ومجوس سے بھی بدتر سمجھتے تھے ـــــــ خود مولانا ممدوح نے اُسی زمانہ میں اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کی بناپر وہاں کا یہ حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

"اہل عرب کو خصوصاً اُس (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب) اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ نہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔۔۔۔۔"

(الشہاب الثاقب ص۴۷)

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پروپیگنڈہ نے ذہنوں کو اتنا متاثر کر دیا تھا کہ "وہابیوں" کے خلاف کیسی ہی غلط اور کتنی ہی لغو و بیہودہ اور ناقابل فہم بات کہی جاتی بیچارے عوام ہی نہیں خواص اور علماء کے ذہن بھی (الا ماشاء اللہ) اس کو قبول کر لیتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے بلند پایہ عالم شیخ احمد زینی دحلان (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی "خلاصۃ الکلام" کے حوالہ سے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے متعلق جو خرافاتی باتیں (مقدمہ میں صفحہ ۱۶ تا ۱۸) نقل کی جاچکی

ہیں، ہمارے نزدیک وہ سب اسی قبیل سے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں مسلکِ اہل حدیث کے سب سے بڑے داعی نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کی "ترجمان وہابیہ" کے حوالہ سے کچھ ہی پہلے صفحہ ۷۵ پر شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت وجماعت کے متعلق جو تکلیف دہ باتیں نقل کی گئی ہیں وہ سب بھی اسی قبیل سے ہیں۔

بہر حال جس زمانہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مدینہ منورہ میں قیام رہا اس دور میں "وہابیوں" کے بارے میں حرمین شریفین کی یہ فضا تھی اور وہاں کا یہ ماحول تھا اور قدرتی طور پر مولانا کا ذہن بھی اس سے پوری طرح متاثر تھا۔

مولوی احمد رضا خاں بریلوی کی تکفیری مہم اور حسام الحرمین کا فتنہ

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ہندوستان کے قبوری مبتدعین کے سرگروہ اور قائد وامام مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ـــــ ہندوستان میں مسلکِ توحید وسنت کی داعی وعلمبردار جماعت علماء دیوبند کے اکابر ومشائخ العلامۃ الجلیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، المحدث الکبیر مولانا رشید احمد گنگوہی، سنن ابوداؤد کے شارح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور قریباً ایک ہزار دینی کتابوں کے مصنف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی قطعی تکفیر کا ایک فتویٰ عربی زبان میں تیار کیا جس میں ان حضرات کی اردو زبان میں لکھی ہوئی بعض کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید اور تحریف کر کے اور انتہائی ناخدا ترسی اور بددیانتی کے ساتھ عربی زبان

میں ان کا مطلب مصنفین کی مراد کے بالکل خلاف بیان کر کے اُن کی طرف نہایت خبیث کافرانہ عقائد منسوب کئے اور ان کی بنیاد پر ان حضرات کو کافر قرار دیا اور یہ بھی لکھا کہ جو کوئی ان کے کفر و ارتداد میں شک و شبہ کرے وہ بھی ایسا ہی کافر و مرتد ہے ـــــ اُنہوں نے عربی زبان میں یہ فتویٰ تیار کیا اور ہندوستانی عوام کی نگاہوں میں اس کو زیادہ معتبر اور قابلِ اعتماد بنانے کے لئے یہ منصوبہ بنایا کہ کسی طرح حرمین شریفین کے علماء کرام سے اس فتوے کی توثیق و تصدیق کرائی جائے۔ ان کو اطمینان تھا کہ وہ حضرات اردو زبان سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اصل حقیقت اور معاملہ کو سمجھ نہیں سکیں گے اور اس فتوے کی توثیق و تصدیق کر دیں گے ـــــ اس منصوبہ کو عمل میں لانے کے لئے انہوں نے ۱۳۲۳ھ کے آخر میں حرمین شریفین کا سفر کیا، وہ اس صورتِ حال سے بھی خوب واقف تھے کہ علماء حرمین کو "وہابیوں" سے کس قدر بغض اور کیسی نفرت و عداوت ہے۔ اُنہوں نے اِن حضرات کو پرچانے اور اپنے تکفیری فتوے کی تصدیق پر آمادہ کرنے کے لئے بہت سی دوسری تدبیروں اور کارروائیوں کے علاوہ ایک چال یہ بھی چلی کہ ان حضرات کو باور کرایا کہ جماعت دیوبند کے یہ اکابر فلاں فلاں جن کی اس فتوے میں تکفیر کی گئی ہے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو "وہابی" ہیں اور ہندوستان میں "وہابیت" کے علمبردار ہیں ـــــ بلاشبہ مولوی احمد رضا خاں کی اس چال نے (قرآن پاک کی زبان میں اس کید و مکر نے) حرمین شریفین کے بہت سے علماء و اصحاب

فتویٰ کو متاثر کیا اور انہوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس تکفیری فتوے کی توثیق و تصدیق کی۔ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب کو "ہندوستانی وہابیوں" کے خلاف اُن کے اس تکفیری "جہاد" پر دل کھول کے خراج تحسین بھی ادا کیا ــــــ یہی فتویٰ علمائے حرمین کی تصدیقات اور اردو ترجمہ کے ساتھ "حسام الحرمین" کے نام سے ہندوستان میں شائع ہوا، اور یہاں کے قبوری مبتدعین کی طرف سے پورے زور شور کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف کے علمائے کرام اور مفتیان عظام نے بھی علمائے دیوبند کے ان اکابر (مولانا نانوتویؒ، مولانا گنگوہیؒ، مولانا سہارنپوریؒ، مولانا تھانویؒ) کو کافر مرتد قرار دیا ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ جو کوئی ان کو کافر نہ کہے یا اُن کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر مرتد اور جہنمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس چال اور اس پروپیگنڈہ نے ہندوستان کے بیچارے عام مسلمانوں کو جو حقیقتِ حال کو خود نہیں سمجھ سکتے تھے سخت فتنہ میں مبتلا کر دیا اور جماعت علماء دیوبند پر فرض ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن امتیوں کو فتنہ اور گمراہی سے بچانے کے لئے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لگائے ہوئے الزامات کی جواب دہی اور اپنے دینی مسلک کی وضاحت کرے ــــــ چنانچہ یہ فرض ادا کیا گیا۔ اس سلسلہ میں اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے چند تحریری بیانات اور رسالے شائع ہوئے۔[1] جن سے حسام الحرمین کی فریب

[1] ان بیانات اور رسائل میں سے حضرت مولانا تھانویؒ کا مختصر رسالہ "بسط البنان" اور حضرت

(باقی اگلے صفحہ پر)

کاریوں اور جعلسازیوں کا پردہ چاک ہو کر حقیقت روشن، مطلع صاف اور فتنہ کافور ہوا ـــــ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (اگرچہ بریلوی حضرات "حسام الحرمین" کے اُس "تعزیہ" کو اب تک کاندھوں پر اُٹھائے پھر رہے ہیں)۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ نے بھی (جو اُس وقت مدینہ منورہ ہی میں مقیم تھے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے مسجد نبوی میں حدیث تفسیر وغیرہ کا درس دیتے تھے) ایک رسالہ "حسام الحرمین" کی تردید میں لکھا اسی کا نام "الشهاب الثاقب" ہے۔ اس میں مولانا ممدوح نے پورے بسط و تفصیل کے ساتھ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے الزامات و افتراءات کی تردید اور اپنے اکابر و مشائخ علمائے دیوبند کے عقائد و مسلک کی وضاحت کی ہے ـــــ اس ضمن میں اس الزام کی بھی پوری قوت اور شدت کے ساتھ تردید کی ہے کہ علمائے دیوبند "وھابی" یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہیں ـــــ اور ان سے جماعت علمار دیوبند کی بے تعلقی بلکہ شدید اختلاف ظاہر کرتے ہوئے اُس وقت کے اپنے معلومات کے مطابق "وہابیوں" کے خلاف وہی سب باتیں لکھی ہیں جو

(بقیہ پچھلے صفحہ سے)
مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ کا رسالہ "التصدیقات" اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب ؒ کے رسائل "قطع الوتین" "السحاب المدرار" اور "الختم علی لسان الخصم" ـــــ خاص طور پر قابل ذکر ہیں (آخر میں راقم الحروف کے رسالہ "معرکۃ القلم" نے حجت تمام اور بحث ختم ہی کر دی ہے)

حرمین شریفین میں عام طور سے مشہور اور زبان زدِ خاص و عام تھیں، اور جو شیخ احمد زینی دحلان وغیرہ اُن کے مخالف علماء و مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھی تھیں ـــــ مثلاً یہ کہ وہ اپنی جماعت اور اپنے متبعین کے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر اور مباح الدم سمجھتے ہیں ـــــ اور مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں سخت گستاخ ہیں اور کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) میری لاٹھی ان سے زیادہ میرے کام آنے والی ہے، میں اس سے کُتّے کو دفع کر سکتا ہوں اور وہ تو میرا یہ کام بھی نہیں کر سکتے ـــــ اور مثلاً یہ کہ وہ آپ کی شفاعت کے منکر ہیں، درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تو جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا واقعہ یہی ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت کے خلاف ان کے سیاسی اور مذہبی دشمنوں کے پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں یہ سب باتیں (بالکل بے بنیاد ہونے کے باوجود) ایسی مشہور عام تھیں کہ ایک طرح کے "عوامی تواتر" کا درجہ ان کو حاصل ہو گیا تھا۔ جس کے بعد ان کے بارے میں کسی تحقیق و تنقید کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی ـــــ تو مولانا حسین احمد صاحبؒ نے بھی اسی عام شہرت کی بنا پر اور شیخ احمد زینی دحلان مکی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم جیسے اہل علم کی تحریروں پر اعتماد کر کے، اِن خرافات اور افتراءات کو "حقائق" اور "واقعات" سمجھ کر نقل کر دیا بلکہ مولانا نے نواب صاحب مرحوم کی کتاب کا حوالہ بھی دیا۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے "الشہاب الثاقب" کی تصنیف کا پس منظر بھی ناظرین کے سامنے آگیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا حسین احمدؒ نے اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا کیوں لکھا تھا اور کس بنیاد پر لکھا تھا۔

اس کے بعد ناظرین کرام اسی معاملہ سے متعلق مولانا ممدوح کے اس اہم اخباری بیان کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں جو ۱۹۲۵ء میں اخبارات میں شائع ہوا تھا۔

مولانا نے "الشہاب الثاقب" ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں لکھی تھی ——

اس کے قریباً ۱۴-۱۵ سال بعد یہ عظیم واقعہ رونما ہوا کہ اُس وقت کی "وہابی نجدی" حکومت کے سربراہ ملک عبدالعزیز ابن سعود نے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں اپنی فوجی طاقت سے حجاز مقدس کے اس وقت کے حکمراں شریف حسین کو بے دخل کر کے حرمین شریفین کو بھی اپنے اقتدار و انتظام میں لے لیا۔

مکہ کے شریف حسین کی غداری اور حضرت شیخ الہند وغیرہ کی گرفتاری

یہ وہی حسین بن علی شریفِ مکہ تھا جو پہلے سلطنتِ عثمانیہ ترکی کی طرف سے (جس کے سربراہ کی حیثیت خلیفۃ المسلمین کی بھی تھی) مقرر کیے ہوئے نائب الحکومت کے طور پر حجاز مقدس کا حاکم تھا اور پھر پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے دوران انگریزوں کی سازش اور مدد سے اُس نے ترکی حکومت اور خلیفۃ المسلمین سے غداری اور بغاوت کر کے اور

نازک ترین وقت میں سلطنت عثمانیہ کی پیٹھ میں چھرا بھونک کے حجاز مقدس پر خود اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اور انگریزی حکومت ہی کی فرمائش پر جماعت علماء دیوبند کے اس وقت کے مرشدِ عام اور ہندوستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو (جو اُس وقت انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستان میں مسلح جنگ برپا کرانے کا ایک منصوبہ لے کر ترکی حکومت کے ذمہ داروں سے رابطہ پیدا کرنے ہی کے لئے حجاز مقدس پہنچے ہوئے تھے)[1]۔ اور ان کے ساتھ ان کے

شیخ الہند کا مسلح جنگ کا منصوبہ — [1] برطانوی حکومت کے خلاف شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ انگریزی حکومت کے خلاف حسب امکان و استطاعت جہاد کو ہندوستانی مسلمانوں کا دینی فریضہ اور اپنے لئے اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھتے تھے، اور مدتوں سے اس کے لئے خفیہ تیاریاں کر رہے تھے۔ جب ۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور ترکی حکومت بھی اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف جرمنی کی حلیف بن کر میدان میں آگئی ـــــ تو شیخ الہندؒ نے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جنگ برپا کرانے کے اپنے منصوبہ کے لئے اس موقع کو بہتر سمجھا۔ اور ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں حج کے بہانے حجاز مقدس پہنچے تاکہ وہاں سے ترکی حکومت سے رابطہ قائم کر کے اپنے منصوبہ اور پروگرام کو آخری شکل دے کر عملی اقدام کا فیصلہ کریں ـــــ مدینہ منورہ میں ترکی حکومت کے وزیر جنگ انور پاشا اور ایک دوسرے ذمہ دار جمال پاشا سے وہ خفیہ ملاقات بھی ہو گئی جس کے لئے یہ سفر کیا گیا تھا ـــــ اور عملی اقدام کا پروگرام طے ہو گیا ـــــ ٹھیک اسی وقت "شریف حسین" نے انگریزوں کے فریب میں آ کر ترکی حکومت سے غداری کر کے بغاوت کر دی ـــــ اور انگریزوں ہی کی فرمائش پر شیخ الہند مولانا محمود حسن اور اُن کے رفقاء مولانا حسین احمد صاحب وغیرہ کو مکہ معظمہ میں گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا جن کو اپنے جاسوسی ذرائع سے مولانا کے منصوبہ کے بارے میں کچھ پتہ چل گیا تھا ـــــ چنانچہ یہ حضرات بجرم بغاوت جزیرہ مالٹا میں قید کر دیئے گئے۔ اور قریباً ۴ برس کے بعد اور جنگ عظیم ختم ہونے کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

رفیق خاص مولانا حسین احمد اور چند اور رفقاء کو بھی گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا اور پھر یہ حضرات ۴ سال تک جزیرہ مالٹا میں انگریزوں کی قید میں رہے تھے۔

حرمین شریفین پر ابن سعود کا قبضہ اور دینی اصلاحات

تو جب ۱۹۲۴ء میں حرمین شریفین پر سلطان ابن سعود کا قبضہ ہو گیا، اور انہوں نے اپنے دینی مسلک اور "وہابی حکومت" کی قدیم روایات کے مطابق سختی سے دینی اصلاحات نافذ کیں۔ مزارات پر بنے قبوں کو گرایا اور مزارات کو تجارت کا وسیلہ بنانے والے اُن کے پیشہ ور مجاوروں کو سزائیں دیں اور ہر قسم کی بدعات و منکرات کے بارے میں سختی کی اور حرم شریف کے چار مصلّوں کی چار جماعتوں کے بجائے بس ایک مصلے پر ایک جماعت قائم کی تو ہندوستان بھر کے قبوری مبتدعین کے تمام طبقوں نے متحد ہو کر یہاں ایک "جنگ عظیم"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی قریباً دو سال بعد اُس وقت چھوڑے گئے جب حکومت برطانیہ کو اطمینان ہو گیا کہ اب اس طرح کے کسی باغیانہ منصوبہ کے بروئے کار لانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔
افسوس کہ انگریزوں کے فریب میں آ کر شریف حسین نے اتنا بڑا گناہ کیا اور اس کے عوض "حجاز" کی جو "بادشاہی" حاصل کی تھی وہ پورے دس سال بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رہی ؎

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

لیکن راقم سطور نے بعض معتمد حضرات سے سنا ہے کہ "شریف حسین" اپنے آخری ایام خاص کر مرضِ وفات میں اپنی اس غلطی پر بہت روتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے۔

برپا کردی اور "وہابی" "بدعتی" کی جو جنگ ۱۹۱۹ء کے بعد سے تحریک خلافت کی طوفانی موجوں میں بالکل غائب سی ہوگئی تھی وہ دوبارہ شروع کردی کیونکہ حضرات علماء بدایوں، علماء فرنگی محل، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فاخر الہ آبادی، حتیٰ کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے بھی متعدد خلفاء مولانا مختار احمد میرٹھی وغیرہ اُس وقت مولانا ابوالکلام آزاد، علماء دیوبند، علماء ندوہ اور علماء اہلحدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا داؤد غزنوی، مولانا ابوالقاسم بنارسی وغیرہ کے ساتھ انگریزی حکومت کے خلاف جنگ میں ایک صف میں کھڑے ہوگئے اور ایک ساتھ جیلوں میں گئے تھے۔

ابن سعود کی حکومت اور وہابیوں کے خلاف ہندوستان بھر کے قبوری بتدعین اور شیعوں کا متحدہ محاذ

بہر حال تحریک خلافت کے جوش وخروش کے قریباً چار سال ایسے گذرے تھے کہ 'وہابی' بدعتی' دیوبندی' بریلوی اور اسی طرح اہلحدیث اور حنفی کے مسلکی اختلافات کے مظاہرے اور اکھاڑے ناپید سے ہوگئے تھے ــــ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں حرمین شریفین پر سلطان ابن سعود کی "نجدی وہابی" حکومت کے قبضہ اور اپنے مسلک اور روایات کے مطابق اُن کے مذکورہ بالا اصلاحی اقدامات نے یہاں "وہابیوں" اور "وہابیت" کے خلاف ملک گیر پیمانے پر ایک طوفانی "جنگ عظیم" برپا کرادی اور یہاں کے بتدعین کے تمام حلقے اور اکثر مزاراتِ اولیاء کرام اور درگاہوں کے مجاورین اور مختلف سلسلوں اور خانقاہوں

کے سجادہ نشین حضرات اپنے سارے فروق و اختلافات نظر انداز کر کے اِس محاذ پر متحد ہو گئے اور ملک بھر کے شیعہ صاحبان بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ ان کے ساتھ ہو گئے ـــــ اس "متحدہ محاذ" کی طرف سے "وہابیوں" کے خلاف پوسٹر اور اشتہارات شائع ہوتے تھے، اخبارات میں مضامین نکلتے تھے۔ شہروں شہروں قصبوں قصبوں اور محلوں محلوں جلسے ہوتے تھے اور عوام کو بڑے درد انگیز انداز میں بتایا جاتا تھا کہ حرمین شریفین پر "وہابیوں" کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں انہوں نے حضرات اہل بیت اور صحابہ کرام وغیرہ کے مزارات اور قبے ڈھا دیے اور یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ عجیب قسم کی آتشین اور شعلہ بار تقریریں ہوتی تھیں ـــــ ملک بھر میں وہ سماں تھا جس کا اَب آسانی سے تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں پنجاب کے سید حبیب مرحوم کا اخبار "روزنامہ سیاست لاہور" جو اس زمانہ میں ملک کا ایک وقیع اُردو روزنامہ تھا، وہ اس "متحدہ محاذ" کا گویا خاص آرگن تھا ـــــ اس کے بالمقابل مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا روزنامہ "زمیندار لاہور" ابن سعود کی حکومت کا اور "وہابیوں" کا پورا وکیل اور حمایتی تھا۔

متحدہ محاذ کا نعرہ، کوئی مسلمان حج کو نہ جائے

اسی زمانہ میں ابن سعود کی حکومت اور "وہابیوں" کے خلاف جنگ کرنے والے اس "متحدہ محاذ" کی طرف سے زور شور کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر یہ تحریک شروع ہوئی کہ چونکہ مکہ شریف اور مدینہ شریف پر

نجدی وہابیوں کا قبضہ ہوگیا ہے اور وہ دنیا بھر کے کافروں سے بدتر قسم کے کافر ہیں اور (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور اولیاء کرام کے دشمن ہیں۔ اس لئے جب تک ان کا قبضہ ہے کوئی مسلمان حج کو نہ جائے۔[1]

اس سلسلہ میں "نجدی وہابیوں" کے خلاف "الشہاب الثاقب" کی وہ عبارتیں بھی پیش کی جاتی تھیں جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے —— اس طرح مسلمانوں کو حج سے روکنے کے لئے حضرت مولانا حسین احمد کی عبارتیں اور اُن کا نام بھی استعمال ہورہا تھا —— اس وقت لوگوں نے اس بارے میں مولانا سے سوالات کئے تو آپ نے اس مسئلہ پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل اخباری بیان دیا۔

یہ بیان روزنامہ "زمیندار لاہور" کی ۱۷رمئی ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، اور اُسی کے حوالہ سے مولوی حافظ عزیز الدین مراد آبادی مرحوم

---

[1] راقم سطور کے ایک چچا مولوی حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم بڑے ذہین اور ظریف تھے، وہ اہل بدعت اور شیعوں کے اس "متحدہ محاذ" کی مسلمانوں کو حج سے روکنے کی اس تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ کوئی صاحب تھے، رمضان کی ایک رات میں ان کا وہ دودھ جو سحری میں ان کو استعمال کرنا تھا بلی پی گئی، تو ان صاحب نے غصہ میں روزہ نہیں رکھا۔ اور اللہ میاں سے فرمایا کہ "جس بلی کو دودھ پلایا ہے اسی سے روزہ رکھوائیے!" تو یہ "متحدہ محاذ" اسی طرح اللہ میاں سے احتجاج کررہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ جن وہابیوں کو آپ نے مکہ مدینہ کی حکومت دیدی ہے بس اب انہی سے حج کرائیے!!

نے اپنی کتاب "اکمل البیان" میں نقل کیا تھا ـــــ یہ "اکمل البیان" اب سے قریباً نصف صدی پہلے، بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی "اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان" کے جواب میں لکھی گئی تھی، اور اسی زمانہ میں کئی سال تک ہفتہ وار "اہلحدیث امرتسر" میں قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد کتابی شکل میں لاہور کے "المکتبۃ السلفیہ" نے شائع کی تھی ذیل میں مولانا مدنیؒ کا بیان اسی سے نقل کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بیان کا متن

"مجھ کو اس امر کے اعلان کرنے میں ذرہ پس وپیش نہیں کہ میری وہ تحقیق جس کو میں بخلاف اہلِ نجد رجوم المذنبین اور الشہاب الثاقب میں لکھ چکا ہوں اُس کی بنا اُن کی کسی تالیف وتصنیف پر نہ تھی بلکہ محض افواہوں یا اُن کے مخالفین کے اقوال پر تھی، اب اُن کی معتبر تالیف بتا رہی ہے کہ ان کا خلاف اہل سنت والجماعت سے اس قدر نہیں جیسا کہ ان کی نسبت مشہور کیا گیا ہے، بلکہ چند جزوی امور میں صرف اس درجہ تک ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کی تکفیر، تفسیق یا تضلیل نہیں کی جاسکتی"۔ واللہ اعلم (اکمل البیان ص ۹)

(بحوالہ روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۲۵ء)

بیان کی تائید خود "الشہاب الثاقب" سے

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمدؒ نے "الشہاب الثاقب" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں جو لکھا تھا خود اس میں بھی اس کا قرینہ بلکہ دلیل موجود ہے کہ اس کی بنیاد ذاتی تحقیق اور مطالعہ پر نہیں تھی ـــــ مولانا نے اس میں لکھا ہے کہ:

"محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجدِ عرب سے ظاہر ہوا۔" (الشہاب الثاقب ص۴۲)

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے، اور جب اُن کی عمر صرف ۲۰ سال کے قریب تھی اُسی زمانہ میں انہوں نے اپنے وطن عُیَیْنہ اور اُس کے آس پاس قبر پرستی وغیرہ کے خلاف زبانی جہاد شروع کر دیا تھا، اس کے بعد وہ اس میدان میں برابر آگے ہی بڑھتے رہے اور علاقہ نجد کے مختلف شہروں میں اُن کے ماننے والوں اور قبر پرستی وغیرہ کے خلاف اُن کے جہاد میں جان و مال سے ان کا ساتھ دینے والوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ۱۱۵۸ھ میں درعیہ کے حکمراں محمد بن سعود نے ان کو اپنا دینی رہنما تسلیم کر کے اور گویا بیعت کر کے اپنی ریاست کے سارے وسائل ان کی دینی دعوت اور جدوجہد کے لئے وقف کر دیئے اور بارھویں صدی ختم ہونے سے پہلے نجد کا پورا علاقہ اور اس کے آس پاس کے بہت سے علاقے اُن کی دعوت و جدوجہد کا میدان بن گئے۔ اور درعیہ کی سعودی حکومت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا

اور ایک چھوٹی اور معمولی سی ریاست سے ترقی کر کے ایک طاقتور حکومت بن گئی ——— اور اس سب کے بعد تیرھویں صدی شروع ہونے پر ۹۰ سال سے زیادہ عمر پاکر ۱۲۰۶ھ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی وفات ہوگئی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمدؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے متعلق (۱۳۲۸ھ میں) "الشہاب الثاقب" میں جو یہ لکھا تھا کہ "اُن کا ظہور نجد عرب سے ابتداء تیرھویں صدی میں ہوا" یہ تحقیقی واقفیت اور مطالعہ کی بنیاد پر نہیں لکھا تھا ——— الغرض یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ واقعہ وہی ہے جو حضرت مولانا نے ۱۹۲۵ء کے مندرجہ بالا اخباری بیان میں بتلایا ہے کہ انہوں نے "الشہاب الثاقب" میں محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اُن کی جماعت کے بارے میں جو لکھا تھا وہ اُن کی تصانیف کے مطالعہ اور اپنی ذاتی تحقیق کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اُن کے مخالفین کی کتابوں کے مطالعہ اور عام شہرت کی بنیاد پر لکھا تھا۔

علامہ شامی کا معاملہ

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی کی اُس عبارت میں جو حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے "التصدیقات" میں نقل کی ہے جس میں علامہ ممدوح نے "وہابیوں" کو ایک طرح کا "خارجی" قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر اور مباح الدم سمجھتے ہیں ——— تو علامہ کی اس عبارت ہی میں اس کا بہت واضح قرینہ موجود ہے کہ انہوں نے جو کچھ اُن کے بارے میں لکھا ہے

وہ تحقیقی واقفیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ حضرت مولانا حسین احمدؒ ہی کی طرح افواہوں ہی سے متاثر ہو کر لکھا ہے ـــــ ملاحظہ ہو "رد المحتار" میں اُن کی عبارت یہ ہے۔

"کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون الخ (رد المحتار ص ۳۰۹ ج ۳)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ شامی کو یہ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہے کہ نجد کی اس وہابی تحریک کا قائد یا داعی کون تھا وہ "وہابیوں" کو "عبد الوہاب کے "اتباع" اور پیرو کار لکھ رہے ہیں، اور عوام میں یہی مشہور تھا ـــــ (بلکہ ہمارے ہاں کے عام قبوری مبتدعین اب تک یہی جانتے ہیں۔ اور "عبد الوہاب نجدی" ہی کو وہابیت کا بانی یا موجد سمجھتے ہوئے انہی کو گالیاں دیتے ہیں۔) حالانکہ یہ ایک مسلّم و معلوم تاریخی حقیقت ہے کہ صاحبِ دعوت اور قائدِ تحریک شیخ عبد الوہاب نجدی کے بیٹے شیخ محمد تھے۔ اُن کے والد شیخ عبد الوہاب جو اُس علاقہ کے بڑے عالم اور عیینہ اور حریملہ کے قاضی تھے اپنے سکون پسند مزاج کی وجہ سے اُن کی داعیانہ سرگرمیوں اور ہنگامہ خیز جد وجہد سے الگ رہے ـــــ بلکہ وہابیوں کے سخت ترین مخالف شیخ دحلان مکی مرحوم نے تو لکھا ہے کہ وہ اپنے بیٹے محمد کی اس دعوت و تحریک کے سخت خلاف تھے۔ (ملاحظہ ہو خلاصۃ الکلام ص ۲۲۸)

الغرض علامہ ابن عابدین شامی کا "وہابیوں" کو "اتباع عبد الوہاب"

لکھنا اِس بات کی صریح دلیل ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی تحقیقی واقفیت کی بنیاد پر نہیں لکھا وہ بھی اسی زمانہ کے بہت سے دوسرے مصنفین کی طرح عام شہرت سے غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اور وہابیوں کے بارے میں اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر مشرک اور مباح الدم سمجھنے والی وہی بات لکھی جس کی خود شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے بعد ان کے جانشینوں اور تحریک کے علمبرداروں نے اپنی کتابوں میں مسلسل تردید کی ہے (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اُن کی کتابوں سے نقل کیا جا چکا ہے)۔

یقین ہے کہ اگر علامہ شامی کو اپنی زندگی میں "وہابیوں" کی دینی دعوت و تحریک اور اُن کے مسلک کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہو جاتے (جس طرح حضرت مولانا حسین احمدؒ کو ۱۹۲۵ء میں ان کی کتابوں سے معلوم ہوئے اور انہوں نے مندرجہ بالا اخباری بیان کے ذریعہ الشہاب الثاقب میں ظاہر کی ہوئی اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ اور قریباً اسی زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ طیبہ کے زمانۂ قیام میں اہل نجد کے اکابر علماء و مشائخ قاضی عبداللہ بن بلیہد وغیرہ کی ملاقاتوں اور ذاتی واقفیت سے صحیح صورت حال معلوم ہوئی جس کے بعد آپ نے "التصدیقات" میں ظاہر کی ہوئی اپنی رائے کے خلاف وہ رائے ظاہر کی، جو روزنامہ زمیندار لاہور کے اڈیٹر مولانا ظفر علی خاں مرحوم اور حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی مرحوم کے نام لکھے ہوئے آپ کے خطوط سے

ناظرین کو معلوم ہو چکی ہے۔) تو یقیناً علامہ شامی بھی اِسی طرح اُس رائے سے رجوع فرما لیتے جو انہوں نے "ردالمحتار" کی مندرجہ بالا عبارت میں غلط معلومات کی بنا پر ظاہر فرمائی تھی۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی ناطق کتابیں

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت و مسلک کے بارے میں راقم سطور نے یہاں تک جو کچھ لکھا وہ سب وہ تھا جو شیخ ممدوح اور ان کے فرزندوں اور تلامذہ کی تصنیفات، ان کی سوانح حیات اور ان کے بعض سخت مخالفین کی کتابوں کے مطالعہ سے اس عاجز نے جانا اور سمجھا، لیکن اس بارے میں زیادہ اطمینان اور شرح صدر اُن کے سلسلہ کے بعض اُن اکابر علماء و مشائخ کو قریب سے دیکھ کر اور برت کر حاصل ہوا جن کو شیخ کی اور ان کی دعوت کی "زندہ اور ناطق کتابیں" کہا جا سکتا ہے۔ اس سے میری مراد خاص طور سے اُن کی جماعت کے دو موجودہ جلیل القدر عالم شیخ عبدالعزیزؒ بن عبداللہ ابن باز اور شیخ عبداللہ بن حمیدؒ ہیں ـــــ اللہ کی شان کہ یہ دونوں بزرگ نابینا ہیں، اول الذکر شیخ عبدالعزیزؒ بن باز پہلے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سربراہ (وائس چانسلر) تھے، وہیں قیام رہتا تھا، اب سعودی حکومت کے مختلف دینی شعبوں کی سربراہی و نگرانی اُن کے سپرد کر دی گئی ہے، اس وقت وہ سعودی حکومت کی سب سے بڑی دینی شخصیت ہیں ـــــ اور ثانی الذکر شیخ عبداللہ بن حُمید پہلے حرم شریف (مکہ مکرمہ) سے متعلق تمام دینی مذہبی امور کے نگران اعلیٰ اور سربراہ تھے اور مکہ معظمہ

ہی میں قیام رہتا تھا۔ اب حکومت کی طرف سے زیادہ اہم دینی و علمی ذمہ داریاں ان کو سپرد کر دی گئی ہیں اور اب اُن کا مستقل قیام دارالحکومت ریاض میں رہتا ہے ـــــ راقم سطور پر اللہ تعالیٰ کے جو بے شمار انعامات ہیں ان میں سے ایک عظیم انعام یہ بھی ہے کہ ۱۹۶۵ء میں مجھے رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی مجلس تاسیسی کا رکن منتخب کیا گیا۔ (جبکہ مجھ کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا) اس وقت سے مجھے "رابطہ" کے اجلاسوں میں حاضری نصیب ہوتی رہی ہے ـــــ یہ دونوں حضرات بھی رابطہ کی اُسی مجلس تاسیسی کے رکن ہیں، اور شیخ ابن باز تو اس کے اجلاسوں کے مستقل صدر ہیں۔ اور رابطہ کے اجلاس دو دو اور کبھی تین تین ہفتوں تک چلتے ہیں۔ جس کی صبح شام کی نشستوں میں ان حضرات کے ساتھ مسلسل رہنا ہوتا ہے ـــــ رابطہ کی مجالس کے علاوہ ان دونوں بزرگوں کے ممتاز علمی و دینی مقام کی وجہ سے ان حضرات سے نجی ملاقاتیں بھی ہوتی رہی ہیں ـــــ الغرض ان حضرات سے دس بارہ سال سے بھی زیادہ مدت سے صرف تعارف نہیں بلکہ ایک طرح کا تعلق اور رابطہ ہے ـــــ اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ تو ان حضرات کا ایسا تعلق ہے جو باہر کے کم ہی حضرات کے ساتھ ہوگا۔ مولانا موصوف اور اس عاجز کا ان دونوں بزرگوں کے بارے میں یہ اندازہ اور احساس ہے کہ نابینا ہونے کے باوجود یہ دونوں حضرات متبحر اور وسیع النظر عالم دین بھی ہیں اور ورع و تقویٰ اور خشیت و تعلق باللہ کی

نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو حصۂ وافر عطا فرمایا ہے (واللہ اعلم باحوال عبادہٖ)۔

اخلاصِ توحید اور اس کی دعوت سے شغف اور شرک اور اس کے تمام مظاہر سے سخت نفرت وعداوت، اور اعتصام بالکتاب والسنہ کے ساتھ اتباعِ سلف پر اصرار کے بارے میں ہم نے ان کا وہی حال پایا جس کی بنا پر ان کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی "ناطق کتابیں" کہا جا سکتا ہے۔

راقمِ سطور نے اِن حضرات کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مسلک کا صحیح نمائندہ اور نمونہ پایا اور اِسی سے اِس اطمینان میں اضافہ ہوا کہ شیخ محمدؒ کا مسلک وہی تھا اور ان کی دعوت وہی تھی جو راقم سطور نے ان کی تصانیف اور سوانح وغیرہ سے سمجھی تھی اور یہ کہ شیخ احمد زینی دحلان جیسے حضرات نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ بالکل بے اصل اور خلافِ واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دانستہ یا نادانستہ غلطی کو معاف فرمائے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت وتحریک کی ایک علامت آل سعود کی حکومت ہے درعیہ (نجد) کی آل سعود کی حکومت جس نے اب سے قریباً ڈھائی سو سال پہلے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کو قبول کر کے ان کو اپنا دینی امام اور مرشد بنا لیا تھا، اس کا پورا نظام شیخ ممدوح کی ہدایت وتعلیم کے نتیجہ میں شریعت اور سنت کے مطابق ہو گیا تھا جس کی تفصیل حکومتِ آل سعود کی تاریخوں اور تذکروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اُسی دور کے ایک مصری مؤرخ اور مصنف عبدالرحمٰن بن حسن جبرتی نے اپنی کتاب "عجائب الآثار فی التراجم والاخبار" میں "سعودی حکومت" کے خلاف لڑنے والی مصری فوج کے ایک افسر کا یہ بیان نقل کیا ہے جو آلِ سعود کی حکومت کی ٹھیٹ اسلامیت اور اتباعِ شریعت وسنت کے جذبہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے ـــــ جبرتی کی روایت کے مطابق مصری فوج کے اُس افسر نے کہا:

"ہمیں فتح کیسے نصیب ہو؟ ہماری فوج کا بڑا حصہ بے دین ہے کسی آئین کی پابندی نہیں، بکس کے بکس مسکرات سے بھرے ہوئے ساتھ ہیں ہماری چھاؤنی میں اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی، اُن کے دلوں میں دین اور شعائر دین کا خیال بھی نہیں آتا اور یہ نجدی قوم (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے متبعین کی سعودی فوج) وقت ہوتے ہی اذان دیتی ہے اور ایک امام کے پیچھے خشوع خضوع کے ساتھ صف بندی کرتی ہے ـــــ اگر جنگ کے دوران میں کہیں نماز کا وقت آگیا تو مؤذن اذان دیتا ہے، اور سب صلوٰۃِ خوف پڑھتے ہیں۔ ایک جماعت جنگ کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ دوسرا گروہ نماز کے لئے پیچھے ہٹ جاتا ہے ـــــ (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا طریقہ تھا) ـــــ ہماری سپاہ حیرت سے منہ تکتی ہے، ان بیچاروں نے دیکھنا تو درکنار سنا بھی نہیں۔" عجائب الآثار (مطبوعہ مصر ۱۲۹۷ھ) ج ۴ ص ۱۴۳

("محمد بن عبدالوہاب" از مسعود عالم ندوی ص ۱۲۱-۱۲۲)

موجودہ سعودی حکومت نجد وحجاز کی موجودہ سعودی حکومت بھی آل سعود کی اسی حکومت کی گویا وارث اور جانشین ہے اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کو اُسی طرح اپنا دینی رہنما اور امام سمجھتی ہے جس طرح اُن کے پیشرو سمجھتے تھے ـــــ اب سے قریباً ۵۵ سال پہلے جب حرمین شریفین پر ان کا اقتدار قائم ہوا تھا اس وقت اس حکومت کے سربراہ سلطان ابن سعود مرحوم اور اُن کے عوام کی دینداری کا کچھ حال ناظرین کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے اس مکتوب سے معلوم ہو چکا ہے جو اسی کتاب کے صفحہ ۴۵ - ۴۶ پر درج ہو چکا ہے، حضرت مولانا نے اُس مکتوب میں اُن لوگوں کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے۔

اگرچہ بعد میں پٹرول کے ذریعہ حاصل ہونے والی دولت کی بے حساب فراوانی اور یورپ وامریکہ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کے ساتھ آنے والے زہریلے جراثیم اور ایمان کش ہواؤں نے اِس "نجدی وہابی" معاشرہ میں بھی سخت فساد برپا کر دیا ہے اور ساری دنیا کی طرح ان میں بھی بے دینی اور بددینی تیزی سے پھیل رہی ہے اور بلاشبہ نظامِ حکومت پر بھی اس کے اثرات پڑ رہے ہیں، اور راقم سطور کو معلوم ہے کہ اُن کے مخلص علماء و مشائخ اور دیندار عوام اس تغیر اور فساد سے سخت رنجیدہ اور بیزار ہیں ـــــ لیکن اس سب کے باوجود یہ بھی واقعہ ہے کہ اِس دور میں بھی جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو رہی ہے اور بیسویں صدی عیسوی کا خاتمہ بھی قریب ہی ہے جہاں تک اپنا علم ہے روئے زمین پر صرف ایک یہی سعودی حکومت ہے، جس میں صرف

قرآن وحدیث کی فرمانروائی ہے "شریعت" ہی سرکاری قانون ہے، قرآن کے حکم کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، غیر شادی شدہ زانی کو دُرّے لگائے جاتے ہیں، اگر شادی شدہ آدمی زنا کا مرتکب ہو تو شرعی معیار کے مطابق جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں سنگسار کیا جاتا ہے۔ چند ہی مہینے پہلے کا یہ واقعہ یہاں کے اخبارات میں بھی آچکا ہے کہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک عورت جدہ میں اس گناہ کی مرتکب ہوئی تو قاضئ شریعت کے حکم سے وہ اور زانی مرد دونوں قتل کئے گئے ـــــ ہر جاننے والے کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس حکومت کے فرمانروا بادشاہ الحمدللہ ابھی تک صوم وصلوٰۃ وغیرہ فرائض دینی کے پابند ہیں اور عوام سے بھی پابندی کرانا چاہتے ہیں ـــــ بلاشبہ یہ سب صدقہ ہے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دینی دعوت اور جدوجہد کا۔

شیخ کے خاندان میں علم دین اور خدمت دین کا توارث اور تسلسل

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عالمِ اسلام میں ایسے خانوادے شاذ ونادر ہی ہوں گے جن میں اِن آخری صدیوں میں بھی علم دین اور دینی زندگی اور دین کی خدمت ایسے تسلسل سے رہی ہو جیسے تسلسل سے شیخ کے خاندان میں رہی ہے، بارھویں صدی کے وسط سے اب تک ڈھائی سو سال گزر چکے ہیں، اس طویل ترین مدت میں شیخ کی نسل میں مسلسل اکابر علماء، فضلا اور صلحا ہوتے رہے ہیں جیسا کہ ان حضرات کی تصانیف اور تاریخ سے ظاہر ہے ـــــ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

"جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" کے ایک طالب علم کے استفسار کے جواب میں اس موضوع پر جو لکھنے کا ارادہ تھا الحمدللہ وہ سب کاغذ پر آگیا۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں ہماری جماعتِ دیوبند کے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے (جو اس کتاب کے صفحہ ۲۹، ۳۰ پر درج ہو چکا ہے) وہ صحیح، متوازن اور واقع کے بالکل مطابق ہے۔ اس فتوے کے آخر میں یہ بھی تھا کہ:

"ان کے لوگوں میں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا"۔

اس بارے میں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے جس رسالہ سے (صفحہ ۵۷ سے صفحہ ۶۴ تک) طویل اقتباسات نقل کئے گئے ہیں، اس میں شیخ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے لشکر کے لوگوں نے طائف میں کتابیں (اگلے علماء کی دینی کتابیں) جلا ڈالیں ــــ اور اِس بارے میں یہ معذرت کی ہے کہ یہ اُن کی جہالت تھی اور اُن کو سخت تنبیہہ اور سرزنش کی گئی۔ (الہدیۃ السنیہ ص۴۰)

اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سوانح نگاروں نے بھی کھلے لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے متبعین میں کچھ لوگ بہت غالی بھی تھے، وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے (دیکھی جائے احمد عبدالغفور عطار کی کتاب محمد بن عبدالوہاب

صفحہ ۱۲۳ - ۱۶۵ - ۱۷۵)

اور غالباً جماعت کے اسی جاہل اور غالی عنصر کی حرکتوں کی وجہ سے جماعت زیادہ بدنام ہوئی اور علامہ قاضی شوکانی اور ان کے بعض تلامذہ جیسے حضرات نے بھی یہ بات لکھی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے لوگ اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر، مشرک اور مباح الدم سمجھتے ہیں[1]۔ حالانکہ خود شیخ اور ان کے جانشینوں کی کتابوں میں پوری صراحت کے ساتھ اس کی تردید کی گئی ہے اور تکفیر اور قتال کے بارے میں دلائل کے ساتھ اپنا موقف واضح کیا گیا ہے، جس سے دلیل کے ساتھ اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کے بارے میں اس سلسلہ میں جو مشہور کیا گیا (جیسا کہ معلوم ہو چکا) وہ یقیناً غلط اور بہتان ہے۔

واللہ الهادی الی سبیل الرشاد وھو الموفق للصواب والسداد

یہ سلسلۂ مضمون یہیں ختم کر دیا گیا تھا، اس کے بعد اپنی ہی جماعت کے بعض اہل علم کے توجہ دلانے پر استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ سے متعلق وہ اضافہ کیا گیا جو ناظرین کرام آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

---

[1] علامہ قاضی شوکانی نے "البدر الطالع" میں اور ان کے ایک فاضل شاگرد شیخ محمد بن ناصر حازمی نجدی نے اپنے رسالہ "فتح المنان" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے بارے میں یہ بات لکھی ہے۔ ناظرین کرام ان حضرات کی عبارتیں آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

اور

شیخ محمد بن عبد الوہابؒ

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا ذکر "فیض الباری" میں

استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے درس بخاری کی ایک تقریر "فیض الباری" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اس میں ایک جگہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا بھی ذکر آیا ہے اور اُن کے بارے میں ایسے نامناسب الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو اس عاجز کے نزدیک خلافِ واقعہ بھی ہیں اور حضرت استاذؒ کے علمی مقام اور ان کے باوقار طرزِ بیان سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے —— ہماری جماعت کے بعض اہلِ علم نے راقم سطور کو توجہ دلائی کہ جس طرح حضرت مولانا خلیل احمدؒ اور حضرت مولانا حسین احمدؒ کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے اسی طرح "فیض الباری" کی اس عبارت کی وضاحت کی جائے —— اِن حضرات کے توجہ دلانے پر میں نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی۔

فیض الباری کی اسی عبارت میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" کے متعلق بھی ایسی رائے ظاہر کی گئی ہے جو اس عاجز

کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور میں یقین نہیں کر سکتا کہ وہ حضرت استاذؒ
کی رائے ہو سکتی ہے ــــــ آئندہ صفحات میں "فیض الباری کی
اس عبارت ہی کے متعلق عرض کیا جا رہا ہے، والمسئول من اللہ
تعالیٰ توفیق الصواب والسداد۔

فیض الباری کی نوعیت | اس سلسلے میں سب سے پہلے قابل ذکر اور ناظرین کے لئے قابل لحاظ بات یہ ہے کہ "فیض الباری" استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ اُن کے ایک فاضل شاگرد حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (ثم المدنی) رحمۃ اللہ علیہ نے جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، ضلع سورت میں، استاذ بھی تھے کئی سال حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری میں شرکت کی اور حضرت کے درسی افادات قلمبند کرنے کا اہتمام کیا، اُن کا ارادہ تھا کہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گزر جانے کے بعد وہ اس کی اشاعت کا اہتمام کریں گے، لیکن اس کی نوبت نہیں آسکی اور ۱۳۵۲ھ کے اوائل میں حضرتؒ کا وصال ہو گیا (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین) اس کے بعد انہوں نے اس کو عربی میں منتقل کیا اور ۱۳۵۷ھ میں وہ چار جلدوں میں مصر سے چھپ کر شائع ہوئی ــــــ بلاشبہ حضرت مولانا میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا ہم لوگوں پر بڑا احسان ہے کہ اُن کی محنت و کاوش کے طفیل حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف اور افادات کا خاصا حصہ محفوظ ہو گیا۔ لیکن بہر حال اس کی حیثیت

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کی نہیں ہے ـــــ اس بارے میں اُس کے مقدمہ نگار اور اس کی طباعت کا اہتمام فرمانے والے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ نے اپنے مقدمہ میں ص۳۱ پر اور خود مولانا میرٹھی رح نے صفحہ ۷۰-۷۱ پر جو کچھ لکھا ہے فیض الباری کے ناظرین کے لئے اس کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔[1]

راقم سطور کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ خود حضرت مولانا بدر عالم علیہ الرحمۃ کو اس کا احساس تھا کہ اس میں مسامحات ہیں اور انہوں نے مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام میں اُس پر نظر ثانی اور اصلاح و تصحیح کا کام شروع کر دیا تھا لیکن ابھی تھوڑا سا کام ہوا تھا کہ وہ اس دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہو گئے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

فیض الباری میں شاہ اسمٰعیل شہید اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ذکر

فیض الباری کے اس مختصر تعارف کے بعد عرض ہے کہ اس کی پہلی جلد میں ایک جگہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رح اور ان کی "تقویۃ الایمان" کے ذکر کے ساتھ بالکل سرسری انداز میں اور ضمنی طور پر صرف دو سطر میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ذکر کیا گیا ہے، اور غالباً

---

[1] مولانا بنوری رح نے حضرت مولانا بدر عالم علیہ الرحمہ کی اس خدمت کا پورا اعتراف کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے۔ ولا یمکن ان یدعی انہ عصم عن الخطا فیما جمعہ ..... ولا ان یدعی اصابتہ فی تنقیح جمیع ما وصل الیہ من الشیخ وتحریرہ و تفصیلہ ولا ان یدعی اصابۃ المرمی فی فھم جمیع ما سمعہ ووعاہ (ص۳۰) ـــــ اور خود حضرت مولانا میرٹھی رح نے اپنے مقدمہ کے آخر میں تحریر فرمایا ہے "وبعد فلم اخلص فیہ من السھو والاغلاط بالانواع کلّھا"، ص۷۰ (واضح رہے کہ فیض الباری کے نئے لاہوری ایڈیشن میں مولانا بنوری کے مقدمہ میں تحریف کر کے اُسے یکسر بدل دیا گیا ہے۔ معراج محمد)

صرف اس مناسبت سے وہاں ان کا ذکر آگیا ہے کہ اپنے اپنے علاقے اور اپنے اپنے دور میں یہ دونوں حضرات توحید خالص کے علمبردار رہے ہیں اور دونوں نے قبر پرستی وغیرہ مشرکانہ اعمال کے خلاف جہاد کیا ہے اور دونوں ہی کے خلاف اُن کے مخالفین نے یکساں پروپیگنڈہ کیا ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں بھی کیا جاچکا ہے۔

جس سلسلہ کلام میں شاہ اسماعیل شہید اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ذکر آیا ہے وہ اس کا مستحق ہے کہ ناظرین کے سامنے اس کو کسی قدر تفصیل اور وضاحت سے پیش کیا جائے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کتاب العلم میں ایک باب قائم کیا ہے " باب من جعل لاهل العلم ایاما معلومة " ـــــ اور اُس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے ـــــ مولانا میرٹھیؒ نے اس موقع پر حضرت شاہ صاحب کی جو تقریر نقل فرمائی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری اس باب کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس طرح درس یا وعظ کے لئے کسی مخصوص دن یا وقت کا تعین کر لینا "بدعت" نہیں ہے ـــــ (اس کے آگے "بدعت" کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے) ـــــ اور میرے نزدیک بدعت وہ عمل ہے جس کی کوئی شرعی سند نہ ہو اور اس کا رنگ روپ دینی ہو، اسی لئے موت اور غمی کے

سلسلہ کی رسوم (مثلاً تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ) کو بدعت کہا جاتا ہے، کیونکہ ان میں عبادت کا رنگ ہوتا ہے اور ان کو دینی عمل سمجھ کے کیا جاتا ہے، بخلاف شادی وغیرہ کی رسوم کے، کیونکہ ان کی نوعیت لہو ولعب کی اور تفریح کی ہوتی ہے ان کو دینی اعمال میں سے نہیں سمجھا جاتا اس لئے اُن کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

اس کے بعد مولانا میرٹھی نے حضرت استاذؒ کی تقریر کے سلسلہ سے الگ "فائدہ" کا عنوان قائم کر کے چند سطر کی ایک عبارت لکھی ہے جس میں پہلے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ایک تصنیف "ایضاح الحق الصریح" کے بارے میں لکھا ہے کہ "رسومات و بدعات کے رد میں وہ بہت اچھی کتاب ہے، اُس میں علمی مضامین ہیں" ——— راقم سطور عرض کرتا ہے "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والضریح" بلاشبہ مولانا شہیدؒ کی بڑی فاضلانہ اور محققانہ تصنیف ہے، یہ فارسی زبان میں ہے۔

فیض الباری اور تقویۃ الایمان

آگے مولانا میرٹھی مرحوم نے اس کتاب (ایضاح الحق) کی مذکورہ بالا تعریف کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ "ایضاح الحق" مولانا شہید کی دوسری مشہور کتاب "تقویۃ الایمان" سے بہتر ہے، "تقویۃ الایمان" میں شدت ہے اس لئے اُس سے بہت کم نفع ہوا۔ مولانا میرٹھیؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں "وَكِتَابُهٗ تَقْوِيَةُ الْاِيْمَانِ فِيْهِ شِدَّةٌ فَقَلَّ نَفْعُهٗ"۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ "تقویۃ الایمان" کے بعض مضامین میں بلاشبہ بظاہر ایک طرح کی شدت ہے، لیکن یہ اسی طرح کی شدت ہے جو قرآن پاک میں شرک اور اہل شرک کے بارے میں استعمال کی گئی ہے، اور اس عاجز کے نزدیک اُس وقت کا تقاضا یہی تھا کہ مسلمانوں میں فروغ اور رواج پائی ہوئی شرک کی تمام صورتوں پر ایسی ہی سخت ضرب لگائی جائے جیسی شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کے ذریعہ لگائی اور اُس کے بعد ہی سے قبر پرستی، تعزیہ پرستی، اولیاء پرستی وغیرہ مشرکانہ اعمال کے خلاف وہ کھلی جنگ شروع ہوئی جس کی ضرورت تھی، ـــــ اور جس شخص کی نظر میں ہندوستانی مسلمانوں کی گزشتہ ڈیڑھ صدی کی مذہبی تاریخ ہے، اُس کو اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ تقویۃ الایمان سے غیر معمولی نفع پہنچا اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اُس سے ہدایت ہوئی۔

تقویۃ الایمان کے بارے میں جماعت دیوبند کے اکابر و مشائخ کی رائے

"ارواح ثلاثہ" میں ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"تقویۃ الایمان سے بہت ہی نفع ہوا، چنانچہ مولوی اسماعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہوگئے تھے اور اُن کے بعد جو کچھ نفع ہوا اُس کا تو اندازہ ہی نہیں۔"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے

اس ارشاد پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

"اس پر مولانا رومی کا شعر یاد آگیا:

کعبہ را ہر دم تجلی مے فزود

ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

(ارواحِ ثلاثہ ص۸۲)

"فتاویٰ رشیدیہ" کے متعدد فتووں میں بھی حضرت گنگوہیؒ نے تقویۃ الایمان کی بہت تعریف فرمائی ہے ـــــ ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص۴۳ و ص۱۱۵ وحصہ سوم ص۱۵-۱۶

اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے "جہد المقل" میں تقویۃ الایمان بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"اس میں نصوص صریحہ سے نہایت سلاست کے ساتھ مضامین توحید کو اچھی طرح بیان فرمایا اور قدرتِ حق تعالیٰ شانہ کو جملہ بنی آدم و مخلوقات پر ثابت کر کے اہل شرک و بدعت کو ان کے خیالات باطلہ کی خرابی پر مطلع فرمایا، اُس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت و صحتِ عقائد نصیب ہوئی۔" (جہد المقل حصہ اول ص۲)

الغرض "فیض الباری" کی زیر بحث عبارت میں "تقویۃ الایمان" کے بارے میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ واقعہ کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے اور

اُس رائے کے بھی خلاف ہے جو اُس کے بارے میں حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے اور اُن دونوں کے شیخ و مرشد حضرت مولانا گنگوہیؒ نے نیز حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ظاہر فرمائی ہے۔
اس بنا پر یہ عاجز مولانا میرٹھی کی اُس عبارت کو جو انہوں نے "فائدہ" کے زیر عنوان لکھی ہے حضرت استاذؒ کی درسی تقریر کا جز اور اس کی ترجمانی نہیں سمجھتا۔
اور آخری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ "سہم الغیب[1]" میں (جو آپ نے اب سے اسّی ۸۰ سال پہلے دہلی کے زمانۂ قیام میں حلقۂ مبتدعین کے ایک مشہور زبان دراز مولوی صاحب کے ایک رسالہ مسمّٰی "ازالۃ الخفا" کے جواب میں لکھا تھا (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کلی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی) تو اس رسالہ "سہم الغیب" میں شاہ صاحب نے جس طرح تقویۃ الایمان کا ذکر فرمایا ہے وہ اس کی روشن دلیل ہے کہ آپ اُس کو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی ہدایت افروز تصنیف سمجھتے تھے ____ یہ رسالہ سہم الغیب اردو میں ہے اور غالباً اردو زبان میں یہ حضرت شاہ صاحب کی واحد تصنیف و تحریر ہے ____ اس کے شروع میں

---

[1] اس رسالہ کا پورا نام "سہم الغیب فی کبد اهل الریب" ہے یہ ۱۳۱۸ھ میں تصنیف ہوا اور اسی وقت طبع ہوا تھا۔ یہ قطعاً نایاب ہے۔ اس کی اُردو "حضرت شاہ صاحب کی اُردو" ہے اس لئے عام فہم نہیں ہے، غالباً اسی لئے بعد میں طبع نہیں ہوا ____ راقم سطور کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا ایک نسخہ دستیاب ہو گیا تھا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

دو صفحے میں عربی زبان میں خطبہ ہے (جس کو جدید عرف و اصطلاح میں "پیش لفظ" کہا جاسکتا ہے)، اس خطبہ کی آخری سطروں میں رسالہ "ازالۃ الخفا" کے مصنف کو مخاطب کرکے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

واعلم انک لا تستطیع ان تمیت شیئاً مما ھدی اللہ بہ الناس علی ید الشیخ الزاھد الورع الشھید مولانا شاہ اسمٰعیل وھل تستطیع ان تمیت ذکر من شھد بحیوتہ الجلیل ----- وھل یترک احد "تقویۃ الایمان" و "الصراط" ویاخذ بقول عاد نتنہ علیک کالضواط"۔ [1]

(سھم الغیب ص۲)

جو حضرات عربی زبان کا کچھ ذوق رکھتے ہوں وہ اس عبارت سے سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اکابر و مشائخ حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند اور حضرت حکیم الامت تھانوی رح کی طرح تقویۃ الایمان کو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رح کی اہم اور ہدایت افروز تصنیف سمجھتے تھے ——

---

[1] اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:
"شرک و بدعات کے حامی، رسالۃ "ازالۃ الخفا" کے مصنف جیسے لوگ اپنے پھونکوں سے اس نور ہدایت کو بجھا نہیں سکتے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے شاہ اسمٰعیل شہید رح کے ذریعہ فروغ دیا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص شاہ شہید کی "تقویۃ الایمان" اور "صراط مستقیم" کو چھوڑ کر ان حامیان شرک و بدعت کی بدبودار باتوں کو قبول کرلے۔

اس لئے "فیض الباری" کی وہ عبارت جو مولانا میرٹھی نے فائدہ کا مستقل عنوان قائم کر کے لکھی ہے اور جس سے تقویۃ الایمان کے متعلق ایک طرح کی ناپسندیدگی کا تاثر اور احساس ہوتا ہے، اس کو حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے متعلق فیض الباری کی عبارت

فیض الباری کی اسی عبارت میں جو مولانا میرٹھیؒ نے ج ۱ ص [illegible] پر فائدہ کا مستقل عنوان قائم کر کے لکھی ہے شاہ اسمٰعیلؒ کی "تقویۃ الایمان" کے بارے میں وہ رائے ظاہر کرنے کے بعد جس پر ابھی گفتگو کی گئی، متصلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہاں اُن کا ذکر صرف اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی حضرت شہیدؒ کی طرح توحید خالص کے داعی و علمبردار اور قبر پرستی اور اصحاب قبور سے حاجت طلبی جیسے مشرکانہ اعمال و افعال کے سخت ترین دشمن تھے اور جس طرح شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ہندوستان کے شرک زدہ عوام کے لئے اردو میں "تقویۃ الایمان" لکھی تھی، اسی طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب نے نجد و حجاز وغیرہ ممالک عربیہ کے اُن لوگوں کی اصلاح کے لئے جن میں شرک کے جراثیم تھے ایک معرکۃ الآرا کتاب لکھی تھی جو "کتاب التوحید" کے نام سے معروف ہے۔ اور اسی وجہ سے قبوری بتدعین اِن دونوں حضرات اور ان دونوں کتابوں کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔

(پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ مولوی فضل رسول صاحب بدایونی نے اپنی

کتاب "سیف الجبار" میں "تقویۃ الایمان" کو "کتاب التوحید" کی شرح، اور مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے "الکوکبۃ الشہابیہ" میں اُس کو "کتاب التوحید" کا ترجمہ لکھا ہے) ـــــ الغرض صرف اس مماثلت اور مناسبت کی وجہ سے فیض الباری کی اس عبارت میں شاہ شہیدؒ اور ان کی "تقویۃ الایمان" کے ساتھ شیخ محمد بن عبدالوہاب کا بالکل سرسری طور پر اور صرف دو سطر میں ذکر کیا گیا ہے اور اُس میں ان کے متعلق بہت سخت اور ناگوار و نامناسب الفاظ میں رائے ظاہر کی گئی ہے ـــــ الفاظ یہ ہیں "انہ کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر"۔

راقم سطور ابھی "تقویۃ الایمان" سے متعلق بحث میں تفصیل سے اور استدلال کی روشنی میں عرض کر چکا ہے کہ "فائدہ" کے ذیل میں لکھی ہوئی عبارت کو حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کی درسی تقریر کا جز اور اس کی ترجمانی نہیں سمجھا جا سکتا ـــــ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے متعلق مذکورۂ بالا جملہ بھی اسی عبارت میں ہے۔ اور جو کچھ اس میں کہا گیا ہے وہ واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ اور الفاظ بھی اتنے نامناسب ہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی مقام اور عالمانہ و باوقار انداز تقریر سے مطابقت نہیں رکھتے ـــــ اس لئے بھی اس عاجز کا گمان یہی ہے کہ فائدہ کے زیر عنوان جو سطریں لکھی گئی ہیں وہ مولانا میرٹھیؒ کا "افادہ" ہے اسی لئے اُس کو انہوں نے درسی تقریر کے سلسلہ سے الگ مستقل عنوان قائم

کر کے لکھا ہے اور یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ جس طرح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ ہمارے اکابر اور دوسرے بہت سے علماءِ حق شیخ موصوف کے خلاف پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے تھے اسی طرح مولانا بدر عالم علیہ الرحمۃ بھی متاثر رہے ہوں ـــــ واللہ اعلم۔

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ فائدہ کے زیر عنوان جو عبارت لکھی گئی ہے وہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی درسی تقریر کی ترجمانی ہے تو راقم سطور اپنی علمی کم مائگی کے پورے احساس واعتراف کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جرأت کرے گا کہ پھر ترجمانی میں تسامح ہوا ہے۔

اپنے مقصود مدعا کی مزید وضاحت کے لئے عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ عقلاً یہ بات ناممکن نہیں ہے کہ ہمارے اکثر دوسرے اکابر کی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تصانیف "کتاب التوحید" وغیرہ کے مطالعہ کا اتفاق نہ ہوا ہو، اور آپ بھی اُن کے مخالفین کے پروپیگنڈے سے متاثر رہے ہوں۔ لیکن آپ کے تحقیقی مزاج سے یہ بات بہت بعید ہے کہ کسی شخص کی کوئی تحریر وتصنیف دیکھے بغیر صرف مخالفانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اُس کے لئے "بلید" اور "قلیل العلم" جیسے الفاظ استعمال فرمائیں ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ فرض کرنا ہی بہت مشکل ہے کہ

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کوئی تصنیف خاص کر "کتاب التوحید" آپ کی نظر سے نہ گزری ہو ــــــ "کتاب التوحید" اور اس کی شرح "فتح المجید" بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی طالب علمی ہی کے دور میں ہندوستان میں شائع ہو چکی تھیں اور آپ کو کتابوں کے مطالعہ کا جو غیر معمولی بلکہ حد سے بڑھا ہوا شغف تھا (جس کا واقفین کو علم ہے) اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات قریباً ناممکن ہے کہ یہ کتابیں آپ کے مطالعہ میں نہ آئی ہوں۔ اور جس شخص نے صرف "کتاب التوحید" کا بھی مطالعہ کیا ہو وہ دلائل کے ساتھ اُس کی بعض باتوں سے اختلاف اور علمی جرح و تنقید تو کر سکتا ہے لیکن اُس کے مصنف کو "بلید" اور "قلیل العلم" نہیں کہہ سکتا، کتاب التوحید میں جس طرح آیات و احادیث سے استدلال و استنباط اور ائمہ سلف کے اقوال سے استناد کیا گیا ہے وہ اس کے مصنف کی ذہانت و فطانت اور دقتِ نظر اور وسعت مطالعہ کا روشن ثبوت ہے ــــــ اور اگر کوئی شخص اُس کے مطالعہ کے بعد بھی اس کے مصنف کو "بلید" اور "قلیل العلم" کہے تو خود اُس کے علم و فہم اور دیانت کے بارے میں اچھی رائے نہیں قائم کی جاسکے گی ــــــ بہر حال اِن وجوہ سے راقم سطور پورے وثوق اور یقین کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہے کہ "فیض الباری" کی زیر بحث عبارت میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں، یا تو ان کا حضرت شاہ صاحبؒ کی درسی تقریر سے تعلق ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ترجمانی صحیح نہیں کی جاسکی ہے

—— واللہ اعلم۔

اِس سلسلہ میں یہاں اس کا اظہار بھی مناسب ہو گا کہ اتنی بات خود راقم سطور کے علم میں بھی ہے کہ استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہؒ شیخ محمد بن عبد الوہاب کو اُس درجہ کا بڑا عالم اور امامِ وقت نہیں سمجھتے تھے جس درجہ میں ان کے حلقہ میں اُن کو سمجھا جاتا ہے۔ ایک موقعہ پر اس عاجز نے اس بارے میں حضرت کا نقطۂ نظر خود حضرت سے سنا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی دو خصوصیتیں

اِس موقع پر حضرت استاذ کی دو خصوصیتوں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں —— ایک[1] طرف اپنی ذات اور نفس کے بارے میں اُن میں وہی انکسار و تواضع کی کیفیت تھی جو اہل اللہ اور اصحابِ معرفت میں ہوتی ہے —— آپ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے جس کو آپ کے سوانح نگاروں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ سابق ریاست بہاولپور میں جب قادیانیوں سے متعلق وہاں کے تاریخی مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے آپ وہاں تشریف لے گئے تھے تو ایک جلسہ عام میں ایک عالم دین نے آپ کی شان میں کچھ بلند کلمات کہے تو آپ نے اُن کو روک دیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ان صاحب نے ہمارے بارے میں جو کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ گلی کا کتا ہم سے اچھا ہے۔"[1]

---

[1] امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں صوفیائے متقدمین میں سے کسی کا یہ ارشاد بار بار نقل فرمایا ہے کہ "معرفت ہر آں کس حرام است کہ خود را بدتر از سگِ فرنگ نداند۔"

توحضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ میں اپنی ذات اور اپنے نفس کے بارے میں ایک طرف تو انکسار و تواضع کی یہ کیفیت تھی. اور دوسری شان یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی تبحر کا جو خاص الخاص مقام اور تفقہ فی الدین کی جو عظیم نعمت عطا فرمائی تھی کبھی موقع آتا اور "تحدیث نعمت" کا غلبہ ہوتا تو اس کا اس طرح بر ملا اظہار فرماتے تھے کہ ناواقفوں کو علمی استکبار کا شبہ ہو سکتا ــــــ یہ واقعہ مشہور ہے اور آپ کے سوانح نگاروں نے بھی ذکر کیا ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کیا "فتح القدیر" جیسی ہدایہ کی شرح آپ لکھ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لکھ سکتا ہوں۔

ایک دفعہ آپ اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے، مجمع عام میں کسی مسئلہ پر تقریر فرما رہے تھے، کسی نے کوئی اعتراض کیا اور اپنی سند میں قاضی شوکانیؒ کا حوالہ دیا ــــــ آپ نے اُس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم عطا فرمایا ہے جو قاضی شوکانی کو عطا نہیں ہوا تھا۔[1]

راقم سطور جس کا علم و مطالعہ بہت ہی محدود ہے، قاضی شوکانیؒ کی علمی عظمت و جلالت کا دل سے معترف ہے، اس عاجز کے نزدیک تو اُن کی صرف دو کتابیں تفسیر[1] فتح القدیر اور شرح حدیث میں "نیل[2] الاوطار" مجھ جیسوں سے اُن کی علمی عظمت کا لوہا منوانے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن حضرت استاذ

---

[1] یہ واقعہ حضرت استاذؒ کی کشمیر سے شائع ہونے والی سوانح حیات "الانور" میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور راقم سطور نے خط و کتابت کے ذریعہ بھی اس کی پوری تحقیق کی ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ناچیز اس کو بھی برحق سمجھتا ہے ـــــ جن لوگوں نے حضرت کو نہیں دیکھا اور نہیں پایا وہ غالباً اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اسی چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی میں، ہندوستان ہی میں کوئی ایسا عالم بھی گزرا ہو گا جو عرب وعجم کے متعدد کتب خانوں کا گویا حافظ اور اپنے علمی تبحر اور تفقہ فی الدین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن دقیق العید اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا (کسی درجہ میں) نمونہ تھا۔ اب وہ لوگ معدودے چند ہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے اور حضرت سے علمی استفادہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ آپ کے اکثر افاضل تلامذہ اور وہ معاصر علماء جو آپ کے علمی مقام سے واقف و آشنا تھے۔ اس دنیا سے جا چکے ہیں، راقم سطور بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہے جنہیں حضرت سے تلمذ اور استفادہ کا موقع اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا تھا ـــــ بغیر ادنیٰ انکسار کے عرض کرتا ہوں نہ اُس وقت اس لائق تھا کہ حضرت کے علمی مقام کو سمجھ سکتا تھا نہ اب اس قابل ہوں۔ لیکن ہم لوگوں کا تاثر اور احساس یہ تھا کہ اس دور میں آپ کا وجود اور آپ کا علمی تبحر "آیۃ من اٰیات اللہ" ہے اور اب آدھی صدی سے زیادہ مدت گزرنے پر بھی اس تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ حالانکہ اس طویل عرصہ میں ہندوستان سے باہر بھی بعض بڑے بڑے اصحابِ علم وفضل کو دیکھا جن کی علمی عظمت سے دل بہت متاثر ہوا، لیکن حضرت استاذؒ کا تصور کر کے

دل اب بھی یہی کہتا ہے کہ :

"لیکن تو چیزے دیگری"

بہر حال جن لوگوں نے آپ کو پایا اور جن کا علمی استفادے کا آپ سے رابطہ رہا اُن کے نزدیک آپ کے لئے زیبا تھا کہ اگر ضرورت داعی ہو تو "تحدیثاً بنعمۃ ربّہ" آپ فرمادیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم عطا فرمایا ہے جو قاضی شوکانیؒ کو عطا نہیں ہوا تھا ــــ یا ــــ اسی طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب کے متعلق فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے"۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ ممکن ہے حضرت استاذؒ نے اسی طرح کی کوئی بات سلسلہ کلام میں فرمائی ہو اور مولانا میرٹھیؒ نے عربی میں اُس کی ترجمانی اور تعبیر "کان رجلاً بلیداً قلیل العلم" کے الفاظ میں کی ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ تعبیر اور یہ انداز گفتگو ہرگز حضرت شاہ صاحبؒ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

تکفیر کے بارے میں بے احتیاطی اور جلد بازی

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے متعلق "فیض الباری" کی زیرِ بحث عبارت میں آخری بات اُن کے بارے میں یہ کہی گئی ہے ــــ کان یتسارع الی الحکم بالکفر ــــ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ تکفیر کے بارے میں جلد باز اور غیر محتاط تھے۔

تو اگرچہ راقم سطور "فیض الباری" صـ۱ پر "فائدہ" کے ذیل میں لکھی

ہوئی پوری عبارت کو مذکورہ بالا وجوہ اور قرائن کی بنا پر حضرت مولانا محمد انور شاہ کی تقریر کا جز نہیں سمجھتا ـــــــ لیکن اس کا امکان ہے کہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کو تکفیر کے بارے میں غیر محتاط سمجھتے ہوں ـــــــ اُن کے بارے میں یہ رائے بہت سے اُن علماء نے بھی ظاہر کی ہے جن کو اُن کا معاند مخالف نہیں کہا جا سکتا ـــــــ علامہ قاضی شوکانی یمنی" شیخ محمد کی دعوت اخلاصِ توحید واتباعِ شریعت اور اس راستہ میں اُن کی جدوجہد اور اُس کے مبارک اثرات ونتائج کے معترف اور بڑے قدر دان ہیں ـــــــ انہوں نے اپنی کتاب "البدر الطالع" میں ایک جگہ اس دعوت کی علمبردار نجدی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ہمیں تواتر کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ ـــــــ بہت سے علاقوں کے لوگ جو پہلے بالکل جاہلیت کی زندگی گزار رہے تھے، اسلام اور اُس کے ارکان وفرائض سے ان کو کوئی تعلق نہیں تھا، کلمۂ شہادت بھی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے تھے، اس دعوت اور حکومت کے دائرہ میں آجانے کے بعد اُن میں یہ تبدیلی آئی کہ اب وہ وقت پر نمازیں پڑھتے ہیں اور دوسرے ارکان اسلام بھی بہت اچھے طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔" (ملخصاً)

لیکن پھر اس کے آگے متصلاً لکھتے ہیں کہ:

ولکنهم یرون ان من لم یکن داخلاً تحت دولة صاحب نجد و ممتثلاً لاوامرہ خارج عن الاسلام ۔

لیکن ان لوگوں کا خیال ہے کہ جو لوگ اُن کی جماعت اور نجدی حکومت کے دائرہ میں شامل نہیں ہیں اور نجد کے سعودی حکمراں کے احکام کی تابعداری نہیں کرتے وہ اسلام سے خارج ہیں۔

پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

ومن جملة ما یبلغنا عن صاحب نجد انه یستحل سفك دم من لم یحضر الصّلوٰة فی جماعة وهٰذا ان صح غیر مناسب لقانون الشرع ۔

اور نجدی حکومت کے بارے میں جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں اُن میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ ایسے آدمی کو قتل کر دینا درست سمجھتے ہیں جو نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے (اگرچہ منفرداً نماز ادا کرتا ہو) اور یہ بات جو ہم تک پہنچی ہے ۔ اگر صحیح اور واقعی ہے ۔۔۔ تو یہ یقیناً قانونِ شریعت کے خلاف ہے ۔

آگے اس مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد علامہ قاضی شوکانیؒ نے لکھا ہے:

وتبلغ عنهم اشیاء

اور ان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں اس

الله اعلم بصحتها و	نجدی جماعت اور حکومت کے بارے
بعض الناس یزعم	میں ہم تک پہنچی ہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے
انہ یعتقد اعتقاد	کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور بعض لوگوں کا
الخوارج وما اظن	خیال ہے کہ یہ جماعت خارجیوں کے عقائد
ان ذالك صحیحًا۔	رکھتی ہے۔ اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہ
(البدر الطالع ص۵-۶ ج۲)	بات صحیح ہوگی۔

علامہ قاضی شوکانی رح کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اخلاص توحید و اتباع شریعت کے معترف اور قدردان ہونے کے باوجود اُن کے اور ان کی جماعت کے بارے میں ان کی اطلاعات و معلومات یہ تھیں کہ وہ اپنے علاوہ سب مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور صرف جماعت کے تارک کو بھی کافر اور مباح الدم قرار دیتے ہیں اور اُن کے عقائد خارجیوں والے ہیں ـــــ الغرض جب (یمن کے) قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا تو بالکل مستبعد نہیں کہ استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی اطلاعات کی بنا پر شیخ محمد بن عبدالوہاب رح کے متعلق یہ رائے قائم کی ہو کہ وہ تکفیر کے معاملہ میں جلد باز اور غیر محتاط تھے۔ اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ علامہ شوکانی کی کتابیں حضرت شاہ صاحب کی نظر سے گزری تھیں، تو ہو سکتا ہے کہ "البدر الطالع" کے مطالعہ

ہی سے یہ رائے قائم ہوئی ہو۔

اور نواب صدیق حسن خان مرحوم نے "اتحاف النبلاء" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تذکرہ ہی میں ذکر کیا ہے کہ تیرھویں صدی کے ایک عالم سید داوٗد بن سلیمان بغدادی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے رد میں ایک رسالہ "صلح الاخوان" کے نام سے لکھا تھا، جس میں اُن کے ساتھ شیخین ابن تیمیہ اور ابن القیم پر بھی خوب لے دے کی گئی تھی، ـــــ علامہ قاضی شوکانیؒ کے ایک فاضل شاگرد شیخ محمد بن ناصر حازمی نجدی (م ۱۲۸۳ھ) نے بطور محاکمہ کے ایک رسالہ لکھا جس کا نام تھا "فتح المنان فی ترجیح الراجح وتزئیف الزائف من صلح الاخوان"۔ اس میں مصنف (شیخ محمد بن ناصر حازمی) نے اولاً شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مختصر سوانح حیات کا اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے ـــــ اس کے بعد رسالہ کے اصل موضوع کے سلسلہ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "تکفیر" اور "قتال" کے بارے میں سید داوٗد نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف جو لکھا ہے وہ صحیح اور مبنی بر انصاف ہے ـــــ اور شیخین (ابن تیمیہ وابن قیم) کے بارے میں "صلح الاخوان" کے مصنف نے جو لکھا تھا اس کی پوری قوت سے تردید کی ہے۔ اس سلسلہ کلام میں اُن کے آخری الفاظ یہ ہیں:

هما عالمان	یہ دونوں بزرگ عالم باعمل ہیں صاحبِ
عاملان تقیان	تقویٰ ہیں اور بے لوث ہیں ثقہ ہیں اور

منصفان تعبا	صاحب عدل وانصاف ہیں انہوں نے
لا نفسہما واَدّیا	دین کی راہ میں تکلیفیں اٹھائیں اور اپنا
ما علیہما۔	فرض ادا کرکے اللہ کے ہاں پہنچ گئے۔

بہر حال شیخ محمد بن ناصر حازمی جو شیخ محمد بن عبدالوہاب سے عناد رکھنے والے مخالفین میں نہیں تھے، بلکہ فی الجملہ ہمدردی رکھتے تھے اور اُن کی کتابوں سے ناواقف بھی نہیں تھے (جیساکہ ان کے رسالہ "فتح المنان" سے ظاہر ہوتا ہے) تکفیر کے بارے میں وہ بھی اُن کے رویہ کو قابل اعتراض اور قابل نکیر سمجھتے تھے۔ پس ہو سکتا ہے کہ یہی حال اور یہی موقف اس مسئلہ میں ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رہا ہو۔

شیخ محمد بن ناصر حازمی کا رسالہ "فتح المنان" جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُس کا طویل اقتباس نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی کے ترجمہ اور تذکرہ میں اپنی کتاب "اتحاف النبلاء" میں نقل کیا ہے بلکہ گویا اُسی سے ان کی زندگی کے حالات لکھے ہیں ـــــ راقم سطور نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے۔

(اتحاف النبلاء ص ۴۱۳ ترجمہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی)

نواب صاحب مرحوم نے "اتحاف" میں شیخ محمد بن ناصر حازمی کا ترجمہ بھی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۴۲۰)

اس کے علاوہ ہندوستان کے اکابر علماء اہلحدیث کا موقف بھی یہی تھا کہ وہ "تکفیر" اور "قتال" کے مسئلہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اُن کی جماعت سے اپنا اختلاف اور برارت ظاہر کرتے تھے۔

مرحوم مولانا مسعود عالم ندوی سلفی جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے بڑی تحقیق اور محنت و کاوش سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سیرت لکھی، جو آب سے قریباً ۳۵ سال پہلے شائع ہوئی تھی (اور جو شیخ موصوف کو امت کے اصحاب عزیمت مجددین میں شمار کرتے ہیں) انہوں نے اپنی اس کتاب (محمد بن عبدالوہابؒ) کے صفحہ ۱۷۵ کے حاشیہ میں جماعت اہل حدیث کے قدیم ترجمان رسالہ "اشاعۃ السنہ" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"رسالہ اشاعت السنہ (ص۵ جلد ۶ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء) نے ہندوستان کے اہلحدیث حضرات کا اختلاف اس مسلک سے (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے مسلک سے) ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔"

"اہل حدیثِ ہند، وہابیہ نجدیہ سے تکفیر و قتلِ اہلِ مخالفین میں مخالف ہیں۔" ص۲۱۷

اور یہ بات ناقابل فہم ہے کہ اِن " اکابر علماء اہلحدیث" نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کی جماعت کے علماء کی کتابیں نہ دیکھی ہوں۔ بہرحال ہوسکتا ہے کہ یہی حال اور موقف اس بارے میں حضرت استاذؒ کا رہا ہو۔

آخر میں راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس عاجز نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے فاضل فرزندوں اور تلامذہ کی جو تحریریں پڑھی ہیں اور اپنے امکان کی حد تک غور سے پڑھی ہیں ـــــ اُن کے مطالعہ سے راقم سطور نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ تکفیر کے بارے میں بے باک اور غیر محتاط ہیں۔ اگر ان کی بعض عبارتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے تو انہی کی دوسری عبارتیں اس کو صاف کر دیتی ہیں ـــــ لیکن اُن کے حلقہ کے مبلغین اور مصنفین کی تحریروں میں اس مسئلہ میں یقیناً کھلا ہوا غلو محسوس ہوتا ہے ـــــ اور اس تاریخی حقیقت میں تو شک شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اُن کے جاہل متبعین میں جہالت کے ساتھ غلو بھی تھا، اُن کے رویہ سے یہی محسوس کیا جاتا تھا کہ وہ اُن مسلمانوں کو جو اُن کے حلقہ میں نہیں تھے کافر و مشرک سمجھتے تھے۔ اسی سلسلہ میں علامہ قاضی شوکانیؒ کی "البدر الطالع" کے حوالہ سے اُن کا یہ بیان پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ:

> "ہمارے یمن کے حاجیوں کے قافلہ کے امیر الحجاج السید محمد بن حسین المراجلی نے خود مجھ سے (علامہ شوکانی سے) بیان کیا کہ ہمارے قافلہ کو نجدی جماعت کی ایک ٹولی ملی تو اس نے مجھے اور میرے ساتھ والے یمن کے سارے حاجیوں کو "کفار" کہہ کے خطاب کیا (ان جماعۃً منھم خاطبوہ ھو ومن معہ فی حجاج الیمن بانھم کفار)۔ (البدر الطالع ج۲ ص۵)

اور یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے عقیدت رکھنے

والے اُن کے سوانح نگاروں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے متبعین میں کچھ بدو لوگ بہت غالی بھی تھے وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔[ع۵]

راقم سطور کا خیال ہے کہ غالباً اُن کی جماعت کے اس جاہل اور غالی عنصر کی وجہ سے جماعت زیادہ بدنام ہوئی اور اچھے اچھے لوگوں نے یہ بات لکھی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت والے اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر، مشرک اور مباح الدم سمجھتے ہیں ——— علامہ قاضی شوکانی یمنی اور اُن کے ہم عصر علامہ ابن عابدین شامی اور ان جیسے جن دوسرے علماء نے یہ بات لکھی ہے اُن سب کی بنیاد غالباً اس جاہل اور غالی عنصر کا رویہ تھا ——— اب جب کہ خود شیخ اور اُن کے فرزندوں اور تلامذہ کی کتابیں ہر صاحب علم کو ہر جگہ آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہیں تو براہ راست ان کو دیکھ کر حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

ع۵ "محمد بن عبدالوہاب" لاحمد عبدالغفور العطار صفحہ ۱۲۳-۱۶۵-۱۷۵

تصدیق و توثیق

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم

مہاجر مدینہ منورہ شرفہا اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضہم

رئیس جامعہ دارالعلوم دیوبند

اس کتاب میں چونکہ جماعت علمائے دیوبند اور اُس کے اکابر کے مسلک و موقف کی وضاحت کی گئی ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ کم از کم جماعت کے اس دور کے سب سے بڑے دو بزرگوں اور ذمہ داروں کی تصدیق و توثیق بھی کتاب کے ساتھ شامل کر دی جائے۔

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی دامت برکاتہم

کی

تحسین و توثیق، قدر افزائی اور فرمائش

ناظرین کرام کو "مقدمہ" سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مقالہ جو اس کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے، پہلے قسط وار ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں شائع ہوا تھا ——"الفرقان" مدینہ منورہ حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں بھی جاتا ہے، حضرت ممدوح اس مضمون کی قسطوں کو خاص اہتمام کے ساتھ پڑھوا کر سنتے تھے[1]۔ چوتھی قسط "جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" کے متعلم کے استفسار کے جواب کی آخری قسط تھی (جو "الفرقان" کے ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ (مارچ ۱۹۷۸ء) کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی) اُس کو سننے کے بعد حضرت نے صاحبِ مضمون حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، آنکھوں میں نزولِ آب کی وجہ سے خود مطالعہ فرمانے اور تحریر فرمانے سے ایک مدت سے معذور ہیں، دوسروں سے پڑھوا کر سنتے اور دوسروں ہی کے قلم سے لکھواتے ہیں۔

کو ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں بہت بلند کلمات میں اس مضمون کی تحسین اور اپنی دلی مسرت کے اظہار کے ساتھ بڑی مبارک اور پُر محبت دعاؤں سے بھی نوازا ــــ آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

"اس پورے مضمون کو جتنی جلدی ہو سکے مستقل کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا جائے اور اُس کے پانچ سو نسخوں کا میں پیشگی خریدار ہوں ڈھائی سو نسخے یہاں مدینہ منورہ بھجوا دیے جائیں اور ڈھائی سو سہارنپور۔"

بعد کے ایک دوسرے گرامی نامہ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں یہ بھی فرمایا کہ:

"شیخ محمد بن عبدالوہاب سے متعلق آپ کے مضمون کے بارے میں جو خط پہلے لکھ چکا ہوں اس خط کا مضمون کتاب کے ساتھ (میری طرف سے تصدیق و توثیق کے لئے) شائع کیا جا سکتا ہے۔"

رئیس جامعہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد طیب صاحب دامت فیوضہم

کی تحریر گرامی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دام مجدہ (رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند) نے جو مقالہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور علمائے دیوبند کے مسلک کی وضاحت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے، یہ احقر اس کی قسطوں سے "الفرقان" اور "الداعی" کے ذریعہ برابر مستفید ہوتا رہا اور علمی اور مسلکی طور پر اُس سے حظ وافر حاصل کرتا رہا ــــــ مولانا ممدوح نے اس مقالہ کے ذریعہ جو کارنامہ انجام دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ انہی کا حق تھا۔ ساتھ ہی برسوں کی میری وہ تمنا بھی پوری ہوگئی جسے میں بار بار مولانا ممدوح کی خدمت میں عرض کرتا رہا ہوں کہ وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور اُس خلیج کو پاٹنے اور اُن بدگمانیوں کو دور کرنے کی سعی فرمائیں جو محض غلط اطلاعات اور غلط فہمیوں کی وجہ سے

دین کی خادم اور توحید و سنت کی داعی و حامی، عالمِ اسلام کی دو اہم جماعتوں کے درمیان پیدا ہو گئی تھیں ——— مولانا کا یہ پُر از معلومات اور مدلل مقالہ جو اس موضوع پر حاوی اور کافی شافی ہے، ہم سب منتسبین جماعت دیوبند خصوصاً خدامِ دار العلوم کے لئے غیر معمولی طور پر موجب مسرت و طمانیت ہوا ہے ——— میں تو اِسے ہی کافی بلکہ بڑی کامیابی سمجھے ہوئے تھا کہ اس بارے میں حضرت اقدس مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے مختصر فتوے ہی کو (جس کا مولانا نعمانی نے کئی بار تذکرہ فرمایا تھا) متن بنا کر اُس کی شرح کر دی جائے۔ لیکن یہ منجانب اللہ غیبی مدد ہوئی کہ جب مولانا نے قلم اٹھایا تو اس سلسلہ کا نہایت کار آمد اور مفید مقصد مواد جو بطون اوراق میں مدفون تھا ملتا چلا گیا۔ اور یہ مقالہ ایک مستقل رسالہ اور اپنے موضوع پر تشفی بخش کتاب کی صورت اختیار کر گیا جس نے وہ خلیج جو جماعت دیوبند اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کی جماعت کے درمیان بعض مشہور زمانہ بے بنیاد افواہوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی الحمد للہ باحسنِ اسلوب پاٹ دی۔

مولانا نے اس مقالہ میں اپنی جماعت کے مسلک کی وضاحت کے ساتھ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی جماعت کے مسلک و موقف کی بھی وضاحت خود اُن کی تحریروں سے فرمائی، اور ان کی طرف سے مدافعت کی خدمت بھی پورے انصاف اور تحقیق کے ساتھ انجام دی۔

اس مقالہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی

ہے کہ اِن دونوں جماعتوں کے مسلک اور دینی طرزِ فکر میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک قرب و توافق ہے۔ اس لئے مولانا کا یہ مقالہ محض علمی اور تاریخی و تحقیقی انداز کا نہیں ہے بلکہ امت مسلمہ کی ایک عظیم اصلاحی خدمت بھی ہے جس سے اتحاد بین المسلمین کے اہم ترین اسلامی مقصد کو تقویت پہنچتی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

اب دلی آرزو ہے کہ یہ بقامت کہتر بقیمت بہتر رسالہ جلد سے جلد اردو و عربی زبانوں میں کتابی صورت میں شائع ہو اور اس سے وہ دینی ملی اور جماعتی مقصد حاصل ہو جس کے لئے مولانا نے یہ لکھا ہے اور جو میری دیرینہ دلی تمنا تھی ـــــ وباللہ التوفیق۔

محمد طیب

رئیس جامعہ دارالعلوم دیوبند (الہند)

۵ رذی قعدہ سنہ ۱۳۹۸ھ

حدیث کا درایتی معیار

مولانا محمد تقی امینی

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

قرآن حکیم
کے اردو تراجم

تاریخ۔ تعارف۔ تبصرہ۔ تقابلی جائزہ

تالیف

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین

ایم۔ اے۔ (عربی)۔ ایم۔ اے۔ (فارسی) پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بمبئی یونیورسٹی

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

علامہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

کی بلند پایہ تصنیف

ایضاح الحق الصریح

کا مستند اردو ترجمہ

بدعت کی حقیقت

اور

اُس کے احکام

مترجم: معراج محمد بارق

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی

یہ کتاب حضرت امام بیہقی رح کی پانچویں صدی کی تالیف شعب الایمان کے مختصر کا ترجمہ ہے۔ جس میں ایمان کی ستتر شاخوں کا تفصیل وار بیان ہے۔ ہر شاخ کا بیان قرآن وحدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

نمونہ کے طور پر:۔

شاخ ۶:۔ قیامت کے دن پر ایمان لانا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

"ان سے لڑو جن کا خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں"

حلیمیؒ فرماتے ہیں آخرت پر ایمان لانا یہ ہے کہ دنیا ایک روز ختم ہوگی اور بالکل فنا ہو جائے گی۔ اور یہ جہان ایک دن برباد ہو جائے گا۔ دنیا کے خاتمہ کا مان لینا دنیا کے آغاز کا مان لینا بھی ہے۔ اس لئے کہ ہمیشہ رہنے والی چیز نہ تو فنا ہوتی ہے نہ اس میں ردوبدل ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ فرماتے ہیں۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت میں مشغول ہوں گے کہ اچانک قیامت آجائے گی۔ نہ تو وہ اپنا خرید و فروخت کا معاملہ طے کر سکیں گے۔ نہ اس کپڑے کو لپیٹ سکیں گے۔ لوگ اونٹنیوں کا دودھ نکال رہے ہوں گے۔ ابھی پیا بھی نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ الخ

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱